ناول

سیاہ پھول

اے حمید



سیاہ پھول

(ناول)

اے حمید

سیاہ پھول

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی ہے۔باہر موسم سرما کے تاریک آسمان پر گہرا اندھیرا ہے۔سیاہ بادل جمع ہو رہے ہیں۔کہیں کوئی چاند نہیں کہیں کوئی ستارہ نہیں۔سرد ہوا چل رہی ہے۔ایک گہری اور اداس کر دینے والی خاموشی طاری ہے۔کبھی کبھی اس ویران خاموشی میں دور سڑک پر سے کسی تانگے یا کار کے گزرنے کی آواز آجاتی ہے جو ماحول کو اور بھی زیادہ اداس اور خوفزدہ بنا دیتی ہے۔میں ایک کمرہ کے اندر بند کھڑکی کے آگے پلنگ پر آ بیٹھی ہوں۔پاس ہی میز پر ٹیبل لیمپ پڑا ہے۔اس کا رنگ زرد ہے۔ٹیبل لیمپ کی اس اداس روشنی میں نہ جانے کیا کیا سوچ رہی ہوں۔مجھے اس پلنگ پر لیٹے ہوئے پورے دو ماہ گزر گئے ہیں۔

اس دن سکول سے واپسی پر تانگے پر سے اترتے ہوئے میرے پاؤں کو بہت زیادہ چوٹ آگئی تھی۔اور پھر یہ چوٹ ایسی بڑھی کہ اس نے مجھے لنگڑا بنا کر بستر پر ڈال دیا ہے۔ہلکا ہلکا بخار بھی شروع ہو گیا ہے۔اسکول شاید زیادہ دیر تک میری چھٹیاں برداشت نہ کر سکے گا اور چند روز کے بعد میری جگہ کوئی اور استانی آن کر کام کرنا شروع کر دے گی۔اور چند روز تک لڑکیوں کے ذہن میں ایک اداس اور مغموم استانی کا چہرہ گھومتا رہے گا اور پھر وہ بھی بھول جائیں گی۔نئی استانی سے مانوس ہو جائیں گی۔نہ جانے نئی استانی کیسی ہو گی۔کیا وہ میری طرح زندگی کے ہاتھوں میں دکھی ہو کر زندگی کے دن گزار رہی ہو گی۔شاید اس امید پر کہ کبھی دن اچھے آجائیں گے' شاید اچھے دن آجائیں۔اور شاید دن کبھی اچھے نہ آئیں۔

پاؤں کی چوٹ دن بدن خوف ناک شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔اور ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ شاید پاؤں کاٹنا پڑ جائے۔اف خدا ------ کیا پھر میں لنگڑی ہو جاؤں گی۔ایک پاؤں سے چلا کروں گی۔

ذرا سی چوٹ نے کتنی خوفناک شکل اختیار کر لی ہے۔

ذرا ذرا سی باتیں کتنی بڑی بڑی اور گہری شکل اختیار کر لیتی ہیں۔کس طرح انوکھا اور خوفناک روپ اختیار کر لیتی ہیں۔اور اس پر میرے شوہر کے یہ طنزیہ جملے -------- آہ! -------- رہ رہ کر میرے سینے کو چھیدے ڈال رہے تھے -------- کہ اگر پاؤں کٹ گیا اور تم جیسی لنگڑی بیوی برداشت نہیں کر سکتا۔میں پہلے ہی بہت کچھ برداشت کر چکا ہوں۔مگر وہ سارا کچھ چھپا ہوا تھا۔لیکن یہ کھلا زخم یہ لنگڑا پاؤں میں اسے کبھی برداشت نہ کر سکوں گا۔میں لوگوں میں یہ مشہور ہونا نہیں چاہتا کہ اس کی بیوی لنگڑی ہے۔

آخر مجھے بھی دنیا میں ایک زندگانی گزارنی ہے۔

نہ جانے میرا شوہر کیا کیا کچھ کہتا رہا تھا۔ آہ! کس قدر ظالم اور سنگ دل آدمی ہے۔ اس نے میری زندگی کس طرح خوار نہیں کی۔ مگر مجھے زندہ رہنا پڑ رہا ہے نہ جانے کس امید پر زندہ ہوں۔

یہ میرا بڈھا بد دماغ شوہر جو مجھے کبھی بچہ نہ دے سکے گا جو میری گود کبھی ہری نہیں کر سکتا۔ مگر اپنی خفت یہ کہہ کر مٹاتا رہتا ہے کہ میں دوسری شادی کرلوں گا' تمہارے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ لوگ مجھے عجیب نظروں سے تکتے ہیں کہ اس کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہوا۔ لیکن انہیں یہ نہیں پتہ کہ لوگ اسے اس لیے عجیب نظروں سے تکتے ہیں۔

کہ اس بڈھے نے کس طرح اس نو عمر لڑکی سے شادی کر لی۔ کہاں یہ ساٹھ سال بڈھا اور کہاں یہ چھبیس سال کی لڑکی۔۔۔۔۔۔ اور لوگ تو یہ سوچتے ہیں کہ میں نے جاوید کو چھوڑ کر اس بڈھے سے آخر کس لیے شادی کر لی۔ ہاں' لوگ سوچتے ہیں اور بہت کچھ سوچتے ہیں۔ میں بھی سوچتی ہوں کہ میں نے اس سے کیوں شادی کر لی۔ مگر یہ سوچ بہت سی سوچوں کے دروازے کھول دیتی ہے اور میں پاگل ہو جاتی ہوں۔ زندگی گزر رہی ہے۔ زندگی گزر جاتی ہے' وقت کبھی نہیں ٹھہرتا۔ مگر جو زخم ایک بار دل پر لگ جائے اسے کوئی چیز نہیں مٹا سکتی۔

جاوید اتم اس وقت میٹھی نیند سو رہے ہو گے اور خواب میں نیلی جھیلوں میں کھلے ہوئے پھولوں سے محبت کی پر اسرار سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہو گے۔ مگر تم کیا جانو کہ تمہاری جدائی کے یہ تین سال میں نے کیسے گزارے ہیں اور ابھی نہ جانے کتنے سال اور گزارنے ہیں۔

میں سو نہیں سکتی۔ میری نیند بہت کم میرے پاس آتی ہے۔ اور میں اکثر بے خواب راتیں بسر کرتی ہوں۔ نیند کی پھواروں سے لدی ہوئی ہوائیں میرے بنجر صحراؤں سے دور' بہت دور برس رہی ہیں۔ میں جانتی تھی تمہاری جدائی مجھے ہلاک کر دے گی اور میں تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔ مگر جاوید! میں اپنے مقام سے گر کر کبھی تمہارے پاس نہ آنا چاہتی تھی۔ مجھے جس مقام سے گرنا تھا' میں گر چکی ہوں اب مجھے مزید گرنا نہیں' بلکہ وہاں سے اٹھنا تھا۔ اور میں نے اٹھ کر جب اپنے چاروں طرف دیکھا تو میری اس بد دماغ بڈھے سے شادی ہو چکی تھی۔ جس کی ایک بیوی مر چکی ہے اور دوسری کو طلاق دے چکا ہے کہ اولاد نہیں ہوتی۔ اور اب ایک نو عمر لڑکی سے شادی کی تھی تاکہ اولاد ہو سکے۔ مگر اس بڈھے کے ہاں اولاد کیسے ہو۔

یہ بڈھا مجھے کبھی بچہ نہ دے سکے گا۔ میری کتنی خواہش ہے کہ میرا ایک بچہ ہو' پیارا سا بچہ۔۔۔۔۔۔ اور میں اپنی زندگی کے دکھ

دن اس کے سہارے گزار دوں۔ میں خودکشی کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے موت سے ڈر لگتا ہے۔ اگرچہ زندگی نے مجھے کانٹوں اور پتھروں کے سوا کچھ نہیں دیا مگر پھر بھی مجھے زندگی سے محبت ہے۔ اور اسی لیے میں نے اسکول میں نوکری کر لی تھی تاکہ میرا دل بہلا رہے۔ مگر اب۔۔۔۔۔۔۔اف خدا۔۔۔۔۔۔۔کیا اب میں لنگڑی ہو جاؤں گی۔ میرا شوہر۔۔۔۔۔۔۔میں نے اس کی ان تین سالوں جس طرح خدمت کی ہے کبھی نہیں بیان کر سکوں گی۔ مگر اس نے ہمیشہ مجھے طعنے دیے ہیں۔ اس نے ہمیشہ میرا دل جلایا ہے۔

کاش جاوید۔۔۔۔۔۔۔تم مجھے اپنے سے جدا نہ کرتے‘ تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔

جاوید! اگر ہمارے ملاپ میں وقت یا زمانے کی دیوار حائل ہوتی تو میں مہیب جنگلوں میں چلنے والی آندھی بن کر اسے اڑا لے جاتی‘ لیکن اس عالم میں جبکہ ہمارے درمیان تم خود حائل ہو رہے تھے‘ میں بے بس ہو گئی۔ میں کچھ نہ کر سکی۔۔۔۔۔۔۔میں کچھ نہ کر سکتی تھی۔

جب تم خود ہی نہیں چاہتے تھے کہ ہماری شادی ہو‘ تو پھر ہم کو جدا ہونا ہی تھا۔

گزری زندگی کی ساری باتیں ایک ایک کر کے یاد آ رہی تھیں۔ یاد آتی رہتی ہیں۔ میں تقریباً بے حس سی ہوتی جا رہی ہوں۔ مگر کبھی کبھی مضطرب ہو جاتی ہوں‘ بے چین ہو جاتی ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کہاں تھی۔ میں نے اپنا سفر کہاں سے شروع کیا تھا اور میں کہاں آن پہنچی ہوں۔ میری اس حالت کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔

مگر اس بھری دنیا میں شاید روزانہ یہی واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ایک چکر ہے جو چل رہا ہے‘ چلتا رہتا ہے۔

رات ہولے ہولے بیت رہی ہے۔ نہ جانے یہ لمبی رات کب ختم ہو گی۔ ہو گی بھی یا نہیں!

ڈاکٹر روزانہ آتا ہے‘ بیچارہ کس قدر مہربان اور نیک دل ہے۔ کتنی کوشش سے میرے پاؤں کو بچانے کی فکر میں ہے۔ مگر افسوس اسے دیر سے دکھایا گیا ہے۔

میرے شوہر کو بھلا پرواہ کب ہے۔ وہ تو اب بھی فیصل آباد گیا ہوا ہے۔ کسی کو اس کا چار سو روپیہ ادھار دینا ہے اور اس نے دو سال سے نہیں دیا۔ اور یہ ہر چوتھے روز وہاں لینے جاتا ہے اور دو سو روپیہ اپنا خرچ کر چکا ہے۔ مگر کہتا ہے اپنا ہزار روپیہ بھی خرچ کر دوں گا مگر اس سے وہ چار سو روپیہ لے کر ہی رہوں گا۔

میرے پاس بیٹھا عجیب وغریب باتیں کرتا رہتا ہے۔ جس سے مجھے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہوتی۔ بھلا سورج کی گرمی اور برف کی ٹھنڈک کا آپس میں کیا ملاپ ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں کی بہت سی چیزیں بے ملاپ ہیں۔ ہر چیز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ ایک ٹکڑا

یہاں تڑپ رہا ہے تو دوسرا وہاں سسک رہا ہے۔

فرحانہ اپنی زندگی اختر کے ساتھ بسر کرنا چاہتی ہے مگر اسے زبردستی ظفر سے بیاہ دیا گیا ہے اور وہ کچھ نہ کر سکی۔ مگر اندر ہی اندر جلتی رہتی ہے۔

نعمان' روشی کے ساتھ بسر ہونے والی زندگی کے آرزو انگیز خواب دیکھ رہا ہے مگر روشی کا ہاتھ سلیمان کے ہاتھ میں سونپنے کے لیے سارا خاندان سر سے لے کر پاؤں تک زور لگا رہا ہے۔

آہ! میں جاوید کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی تھی' مگر اس بڈھے کے پاس پڑی زندگی کو عجیب نظروں سے تک رہی ہوں۔ سارے گھر میں اکیلی ہوں۔ صرف ڈیوڑھی میں بوڑھا بابا خان سو رہا ہے۔ چاروں طرف دیواریں ہیں۔ بڑی بڑی پتھر کی دیواریں ۔۔۔۔۔۔ اور میرا سانس یہاں گھٹتا ہے مگر میں کس سے کہوں۔ کبھی زندگی کی کوئی بات یاد آ جاتی ہے۔ اور کبھی کوئی بات۔ مختلف تصویریں نظر کے سامنے آتی ہیں۔ اور گزر جاتی ہیں۔ چاروں طرف خاموشی ہے۔ اور اس پر ہول خاموشی میں میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ جیسے ابھی ابھی کوئی جن بھوت اندر داخل ہو گا اور مجھے کھا لے گا۔ دروازے کے شیشوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ ڈر لگتا ہے مگر اس سرد اور تاریک بستر پر ابھی زندگی کی بہت سی راتیں بسر کرنی ہیں۔ باہر بادل گرج رہے ہیں اور بجلی چمک رہی ہے' سردیوں کی بارش ۔۔۔۔۔۔ میں اپنے دل کی ویرانیوں کو کیسے بہلاؤں!

دن کس قدر روشن تھا۔ اور دھوپ نیلی تھی۔ گہری نیلی دھوپ' میں بھاگی بھاگی سلیم کے پاس گئی تاکہ اسے بتاؤں کہ وہ جو ہم نے اپنی کیاریوں میں بیج ڈالے تھے۔ وہاں پھول آنے سے شروع ہو گئے ہیں۔ مگر سلیم اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لیے نیچے ہال کمرہ میں گئی۔ وہاں بھی نہیں تھا۔ پتہ نہیں سلیم کہاں چلا گیا ہے۔ اچھا دوپہر کو کھانے پر تو ضرور ہی ہو گا نا' اور میں اپنے کمرہ میں آ گئی۔ کچھ دیر کے بعد سلیم بھی آ گیا۔ جاؤ ۔۔۔۔۔۔ اب مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ میں تم سے خفا ہو چکا ہوں اور میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ سلیم نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

واہ! بس اتنی جلدی روٹھ گئیں۔ نہ روٹھنے کی وجہ بتائی۔ نہ کوئی بات کی ۔۔۔۔۔۔ اور روٹھ گئیں۔ تم تو جمیلہ بالکل بچہ ہو' بالکل بچہ ۔۔۔۔۔۔ اچھا تو آؤ' ذرا میں اپنے بچے کو پیار تو کر لوں۔

ہائے اللہ ۔۔۔۔۔۔ مجھے چھوڑ دو نہیں تو میں چیخ مار کر رو پڑوں گی اور ابھی جا کر چچی جان کو بتاؤں گی کہ سلیم مجھے کس قدر تنگ

کر رہا ہے۔ ہائے اللہ چھوڑو بھی۔ دیکھو تو تم نے کس بری طرح میرے ہونٹ کاٹ کھائے ہیں' خون نکل آیا ہے۔ جاؤ میں تم سے نہیں بولوں گی اور اب نہ بات بتاؤں گی۔

میں ابھی مناؤں گا۔

خدا کے لیے مجھے گود سے اتار دو' ابھی کوئی آ جائے گا تو کیا کہے گا۔ تم کو تو کوئی شرم نہیں آتی۔ دیکھتے نہیں' میں اب کتنی بڑی ہو گئی ہوں۔ تم کو اب یوں نہیں کرنا چاہیے۔

پیار کرنے میں تو اب مزہ آتا ہے' پگلی لڑکی!

لیکن مجھے برا لگتا ہے سلیم!

کیوں۔۔۔۔۔۔ ایمان سے کہو' کیا میرے ہاتھ لگانے سے تمہیں مزہ نہیں آتا؟

کیسا مزہ۔۔۔۔۔۔ مجھ سے ایسی بے شرموں والی باتیں نہ کرو۔

دیکھو میرا دل دھڑکنے لگ گیا ہے۔

کہاں بھلا دکھاؤ تو۔

لو۔۔۔۔۔۔ ہاتھ رکھ کر دیکھ لو۔

اوئی اللہ۔۔۔۔۔۔ میں مر گئی۔ یہ تم نے اتنی زور سے چٹکی کیوں لے ڈالی؟ سلیم! میرا سانس رک گیا۔ مجھے چھوڑ دو۔ دیکھو مجھ سے اب کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ تم نے پتہ نہیں کتنے زور سے جھنجھوڑا ہے کہ میرا جسم لرزنے لگ گیا ہے۔ اور میں دور جا کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اور مسحور سی ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ دوپہر بہت روشن تھی اور آسمان پر نیلے سفید کبوتروں کی ایک قطار اڑتی جا رہی تھی۔ سلیم کے ہاتھ لگانے سے میرا جسم جیسے نشے میں چور رقاصہ کی طرح اڑنے لگا تھا۔

سلیم میرے بہت قریب آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پر کرختگی سی آ رہی تھی۔ اور وہ یوں بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ جیسے ابھی دبوچ لے گا۔ میں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے کمرے میں آن کر اندر سے دروازہ بند کر لیا اور بے سدھ ہو کر چارپائی پر گر پڑی۔

بس سلیم کی روزانہ یونہی مجھ سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی۔ چچی اندر بیٹھی رہتیں' چچا جان دفتر چلے جاتے اور یہ لاڈلے میاں اکلوتے بیٹے ہونے کی وجہ سے ہر طرف سے بے فکر تھے۔ اسکول سے جونہی آتی' یہ پہلے سے ہی میرے کمرہ میں موجود ہوتا اور مجھے پکڑ کر

چومنا شروع کر دیتا۔

سلیم مجھ سے آٹھ سال بڑا تھا اور ایف اے میں فیل ہو گیا تھا اور پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اب اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر انگریزی دوائیوں کی ایک دوکان کھولی تھی اور کبھی وہاں جاتا تھا اور کبھی نہیں جاتا تھا۔ میں ان دنوں نویں کلاس میں پڑھتی تھی اور حساب میں کمزور تھی۔ سلیم کو حساب بہت آتا تھا اور یہ مجھے پڑھایا کرتا تھا۔ مگر اس نے شرط رکھی تھی کہ ایک سوال سمجھاتا تھا تو بیس دفعہ گن کر میرے ہونٹ چومتا تھا۔ اور جب میں شرم سے دوہری ہو جاتی تھی اور سر نہیں اٹھاتی تھی۔ بس بات یہاں تک ہی پہنچتی اور میں بھاگ کھڑی ہوتی۔ وہ مجھ سے کہتا کہ شادی تو تمہاری میرے ساتھ ہی ہونی ہے نا! آ لے میرے پاس پھر تجھے مزہ چکھاؤں گا اور میں ڈر جاتی' سہم جاتی۔ مگر میری اس کی منگنی تو بہت پرانی ہو چکی تھی۔ امی کی وفات کے بعد ابا نے مجھے چچی کے سپرد ہی کر دیا تھا کہ بعد میں بھی یہ تمہاری ہی بیٹی ہوگی تو ابھی اسے عزت و آبرو سے تم کو ہی پالنا ہوگا۔ ابا کی ملازمت کبھی ایک شہر میں اور کبھی دوسرے شہر میں ہوتی رہتی تھی۔ اس لیے وہ مجھے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے۔ ابا کا خیال تھا جب میں میٹرک پاس کر لوں گی اور سلیم بھی کچھ کمانے والا ہو جائے گا تو شادی کر دی جائے گی۔ مگر سلیم کی زبان کو خون نہ جانے کہاں سے لگ گیا تھا' حریص نظروں سے مجھے تکتا۔ غرائے ہوئے بلے کی طرح میرے چاروں طرف چکر کاٹتا رہتا جس سے مجھے بڑا خوف آتا۔ مجھے اس سے نہ محبت تھی نہ نفرت تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ میری اس کی منگنی ہو چکی ہے اب شادی ضرور ہوگی۔ بس اسی طرح دن گزر رہے تھے۔

ایک رات کا ذکر ہے۔ اس دن بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ آسمان بادلوں سے اٹا پڑا تھا۔ چچی جان کی بھانجی کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ شام ہی سے وہاں چلی گئی تھیں۔ میرا دسویں کا امتحان سر پر آ رہا تھا۔ اس لیے میں نہ گئی۔ اور میرے پاس ہماری پرانی خادمہ زینب رہی۔ چچا جان نے بھی کہہ دیا تھا کہ میں رات کو گھر پر نہ آ سکوں گا۔ تم سارے دروازے اچھی طرح بند کر لینا۔ سلیم صبح ہی کا راولپنڈی گیا ہوا تھا۔ میں اور خادمہ زینب' ہم سو گئیں۔ زینت دمہ کی مریضہ تھی اور میں نے اسے اپنے ساتھ والے کمرے میں سلایا تھا۔ کیونکہ مجھے رات کو گیارہ بجے تک پڑھنا بھی تھا۔

اچانک گرتی بارش میں دروازہ پر دستک دینے کی آواز آئی۔ میں نے سوچا' شاید چچا جان ہیں۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو سلیم تھا۔ میں نے کہا۔ ''آپ آدھی رات کو ہی واپس آ گئے۔''

کہنے لگا' ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بہت سردی لگ رہی ہے تم تو اندر گرم ہو کر بیٹھی ہو کیا کر رہی تھیں۔

میں نے کہا' پڑھ رہی ہوں۔

یہ کہہ کر میں اپنے کمرہ میں آ گئی اور اندر سے دروازہ بند کر کے واپس ہی مڑنا چاہتی تھی کہ سلیم کتاب لینے کے بہانے آ گیا اور اب واپس جانے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ اچانک اٹھ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور کہنے لگا۔ آج ہم دونوں اکٹھے سوئیں گے۔ میں تڑپ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ مگر اس نے اپنے فولادی ہاتھوں سے مجھے پکڑ کر بستر پر گرا دیا اور ٹیبل لیمپ بجھا کر میرے منہ پر کپڑا رکھنے لگا۔ میں نے سلیم کی منتیں کیں' خدا اور رسول کا واسطہ دیا کہ مجھے چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔۔ جب میری تم سے شادی ہو جانی ہے تو تم مجھے ابھی کیوں تنگ کرتے ہو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی بلکہ یہ کہا کہ اگر تم شور مچاؤ گی تو اپنی خاک اڑاؤ گی۔ یہاں سوائے ہمسایوں کے اور کوئی ہے نہیں اور تمہاری آواز وہاں تک نہیں جا سکتی۔

میں نے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اپنی لمبی سی زبان سے میرے آنسو چاٹتا جاتا تھا۔ اور صبح کو اس نے مجھے مردوں کی طرح بستر پر لٹا کر لحاف اوڑھا دیا اور کہا کہ اگر تم نے کسی کو بتایا تو میں تمہیں بدلہ کے طور پر گولی مار دوں گا۔

چھ روز تک میں بستر سے نہ اٹھی۔ مجھے بخار ہو گیا تھا۔ اور ایک قدم تک نہ چلا جاتا تھا۔

چچی کو کچھ علم نہ تھا۔ لیکن میں نے چچی سے یہ کہہ دیا تھا' چچی جان! مجھے برے برے خواب آتے ہیں۔ مجھے آپ اپنے پاس سلایا کریں۔ مجھے اپنے سے الگ نہ کریں۔

اس واقعہ نے میری زندگی کو ایک دم بدل دیا۔ مجھے نہ صرف سلیم سے نفرت ہو گئی بلکہ دنیا کے ہر مرد سے نفرت ہو گئی۔ اور میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میٹرک پاس کرنے کے بعد اسکول میں استانی بن جاؤں گی اور یا تو ابا جان کے پاس چلی جاؤں گی یا پھر ہوسٹل میں اٹھ آؤں گی اور ابا جان اور چچی جان کو صاف صاف لکھ دوں گی' زہر کھا لوں گی مگر سلیم سے شادی نہ کروں گی۔

میٹرک کا امتحان دیا' نتیجہ نکلا۔۔۔۔۔۔۔ اور میں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئی۔ سارے گھر والے بہت خوش ہوئے۔ اب میری شادیاں کی تیاریاں ہونے لگیں اور سلیم آتے جاتے گھورتا اور موقعہ ملنے پر کہتا' شادی ہو لینے دو پھر دیکھو میں تمہارا کیا حال نہیں کرتا' تم نے مجھے بہت بیتاب رکھا ہے۔ اور یہ کہہ کر وہ کچھ دکھاتا اور میں چیخ مار کر بھاگ آتی' جیسے میں نے کسی پھنکارتے ہوئے سانپ کو دیکھ لیا ہو۔ اور میرا جی چاہتا یہاں سے بھاگ جاؤں ورنہ یہ سانپ مجھے ڈس لے گا۔ اور اس کا زہر میرے ریشے ریشے میں پھیل جائے گا۔ اور اس سانپ کا کاٹا ہوا ضرور مر جائے گا۔ کم از کم میں تو مر جاؤں گی۔

میرا دل غمگین رہنے لگا۔ ہمت نہ پڑتی تھی کہ شادی سے انکار کر دوں۔ مگر سلیم سے شادی کرنا بھی ایک عذاب سے کم نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

سوچتی تھی اگر شادی سے انکار کیا تو خاندان میں کھلبلی مچ جائے گی۔ ابا جان اور چچی جان انکار کی وجہ پوچھیں گے تو میں وجہ نہ بتا سکوں گی اور اگر میں نے وجہ بتا دی ۔۔۔۔۔۔ تو وہ طوفان اٹھے گا کہ دونوں خاندانوں کی آبرو خاک میں مل جائے گی اور میرا جو درمیان میں حال ہوگا' وہ کس سے چھپا ہوا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن جب مجھے سلیم اور اس رات کا خیال آتا ہے جب مجھے ایک زہریلے سانپ نے کاٹ کھایا تھا اور مجھے بیہوش کر دیا تھا تو جان ہی نکل جاتی۔

میرا دل غم سے ڈوبا رہنے لگا۔ میں اداس ہو جاتی اور چھپ چھپ کر روتی۔

آخر کار ایک روز میں نے ابا جان کو صاف صاف لکھ دیا کہ اگر آپ نے میری سلیم سے شادی کی تو میں زہر کھا لوں گی اور یہ میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔

خط لکھ کر میں روز جواب کا انتظار کرنے لگی۔ راتوں کی نیند اڑ گئی۔ چار روز کے بعد خط کے جواب کی بجائے ابا خود آموجود ہوئے۔ مگر اب وہ اکیلے نہ تھے' بلکہ ان کے ساتھ میری سوتیلی والدہ بھی تھیں۔

میری سوتیلی والدہ نے مجھے بڑا پیار کیا اور ابا جان سے کہا کہ اب اس کی ماں آ گئی ہے۔ اب اسے ہم ساتھ لے کر جائیں گے۔

ابا جان نے دوسری شادی کر لی تھی اور وہ اپنے سر سے میرا فرض اتار دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے مجھے علیحدہ لے جا کر وجہ پوچھی' میں نے رو رو کر کہا' ابا جان! آپ مجھے زہر دے دیں مگر میں اس سے شادی نہ کروں گی لیکن میں کوئی وجہ ابا جان کو نہ بتا سکی۔ میں انہیں کیا بتاتی!

تین روز تک ابا جان رہے اور مجھے سمجھاتے رہے۔ مگر میں یہی کہتی رہی۔ چچی جان کو پتہ چلا' چچا جان کو علم ہوا۔ سلیم نے بھی ساری بات سنی۔

بس کچھ نہ پوچھیں کہ پھر کیا ہوا۔ ایک عجیب ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ جس میں مجھ پر ہزاروں الزام تراشے گئے کہ میں کسی اور لڑکے کو پسند کر چکی ہوں۔ اور اس سے خراب ہو چکی ہوں۔

سلیم نے خود ابا جان سے کہا کہ یہ جمیلہ میرے دوست مسعود سے ناجائز تعلقات قائم کر چکی ہے اور میں خود اس سے شادی سے انکار کرتا ہوں۔

اس واقعہ نے بہت فساد پھیلایا۔ میں غم کھا کھا کر کانٹا ہوگئی۔ بہرحال میری ضد اور میری حالت نے ابا جان کو کچھ متاثر کیا۔ میں نے ان کو سلیم کی ساری بات سنادی اور ابا جان مجھے ساتھ گھر لے آئے۔

میری سوتیلی والدہ نے شروع شروع میں تو مجھے کافی پیار سے رکھا مگر پھر جب دیکھا کہ وہ خود بھی ماں بننے والی ہے تو مجھے نوکرانیوں کی طرح رکھنا شروع کردیا۔ مجھ پر حکم چلاتی' رعب ڈالتی' سارا کام لیتی اور کبھی کبھی ابا جان سے شکایت بھی کردیتی۔

میں نے سوتیلی والدہ کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ تاکہ کہیں یہ میری شادی نہ کرادے۔ سلیم سے نہیں بلکہ کسی اور سے بھی نہیں۔

شادی کے خیال سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے اور شادی مجھے دنیا کی خوفناک چیز نظر آنے لگتی اور میں رو پڑتی۔

دو ماہ کے بعد ہمارے ہاں ایک چھوٹی سی بہن پیدا ہوئی۔ میں اسے بہت پیار کرتی۔ بہت چاہتی۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہہ کہہ کر ان کے پاؤں دبا دبا کر کالج میں داخل ہونے کی اجازت ابا جان سے لے لی۔

اب میں بہت خوش تھی۔ فرسٹ ائیر میں داخل ہوگئی تھی۔ وہاں میری اچھی اچھی سہیلیاں بن گئی تھیں۔ کبھی کبھی چچی جان اور سلیم کی خبر ملتی کہ وہ ہمارے خلاف رشتہ داروں سے بہت کہتے ہیں اور ہمیں بدنام کرتے ہیں اور یہ بھی سنا کہ سلیم کہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ میں جمیلہ کی شادی کہیں اور کبھی نہ ہونے دوں گا۔ اس کی شادی ہوگی تو میرے سے ورنہ کہیں نہ ہوگی۔ اور میں سن کر خاموش ہوجاتی۔ سلیم سے شادی تو میری جوتی کرتی تھی اور کسی اور سے کیا سوال؟ مجھے تو شادی کے نام ہی سے ڈر لگتا تھا۔

اب میرے دن کافی سکون سے گزرنے لگے۔ مجھے پڑھائی سے بہت دلچسپی پیدا ہوتی جارہی تھی۔ میں Shalley Byron Keats اور Milton کی نظمیں بہت شوق سے پڑھتی۔ شیلے مجھے بہت پسند تھا۔ کیونکہ وہ نیچر کا پرستار تھا۔ اور میں خود نیچر پرست لڑکی بنتی جارہی تھی۔ میرا دل شہروں سے نفرت محسوس کرتا تھا اور میں اپنی ساری زندگی پہاڑوں کی خوبصورت بلندیوں پر بسر کرنا چاہتی تھی۔ کسی چشمے کے کنارے اپنی ساری زندگی بتادینا چاہتی تھی۔

مجھے قدرتی نظاروں سے پیار ہوگیا۔

اور کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے اچانک میرا جی اداس ہوجاتا۔ اور میں بہت تنہائی محسوس کرنے لگتی۔ میرا جی چاہتا کہ میں سمندر کے کنارے

ٹھنڈی ریت پر چاندنی راتوں میں خاموش لیٹ جاؤں۔ اور کوئی مجھے ستار پر دلفریب نغمے سنا دے جنہیں سن کر میری روح جھوم اٹھے۔ میری نگاہ جگمگا اٹھے۔

مگر اس پتھروں کی دنیا میں بھلا ایسے خواب کہاں پورے ہو سکتے تھے۔ یہاں تو کالج سے گھر جاتے ہی سارا کام کرنا پڑتا تھا۔ کھانا پکانا پڑتا تھا' برتن صاف کرنے پڑتے تھے' والدہ کی خدمت کرنا ہوتی تھی' چھوٹی بہن کے کپڑے تیار کرنے ہوتے تھے ۔۔۔۔۔۔ اور جب رات گئے فارغ ہوتی تو اپنے کمرے میں آن کر خاموش بیٹھ جاتی۔ اور کھڑکی سے باہر منہ نکال کر آسمان پر ستاروں کو دیکھتی۔ اور دل عجیب طرح اداس ہو جاتا پھر بڑی مشکل سے اپنا جی کتابوں میں لگاتی اور یونہی رات کے دو تین بج جاتے۔ اور پھر نہ جانے کب میں سو جاتی۔

اکثر عجیب عجیب خواب آتے اور کبھی کوئی بھی خواب نہ دیکھتی۔ اور صبح کو اٹھنے پر سارا جسم درد کر رہا ہوتا۔ جیسے رات رات کوئی مارتا رہا ہے۔ سر پتھر کی طرح بھاری ہوتا اور بستر پر چھوڑنے کی ذرا سی بھی سکت نہ ہوتی مگر میں جلدی سے اٹھ بیٹھتی اور مکان کی چھت پر جا کر تھوڑی سی ورزش کرتی۔ سرد ہواؤں میں زور زور سے سانس لیتی۔ گملوں کے اوپر پڑی ہوئے شبنم کو منہ پر لگاتی اور گلاب کی پتیوں پر ہونٹ رکھ کر آنکھیں بند کر لیتی۔ اور بھول جاتی کہ میں کہاں ہوں کہ اچانک امی کی آواز آتی۔ اور میں نیچے بھاگ جاتی۔ اور کام سے فارغ ہو کر تیار ہو کر کالج چل دیتی۔

کلاس میں میری کوئی خاص سہیلی نہیں تھی۔ سبھی لڑکیوں سے ایک جیسی بات کرتی تھی۔ یہ لڑکیاں مجھے پسند تو تھیں لیکن دوستی کے لحاظ سے پسند نہیں تھیں کیونکہ جب بھی یہ اکٹھی ہوتیں' کپڑوں کی باتیں کرتیں' زیوروں کی باتیں کرتیں' پارٹیوں کی باتیں' نرگس اور کامنی کوشل کی باتیں' فلموں پر تنقید کرتیں' فلمی گانے گاتیں اور منہ بنا کر باتیں کرتیں۔ بھلا میں ان کی باتوں میں شامل کیسے ہو سکتی تھی۔ یہ نہیں کہ مجھے ان کی باتیں ناگوار گزرتی تھیں اور میں ایسی گفتگو پسند نہ کرتی تھی ویسے ہی نہیں بلکہ صرف اس لیے میں ان کی باتوں میں شامل نہ ہوتی تھی کہ مجھے ان جیسی باتیں نہ آتی تھیں۔ میرے پاس محض سادے کپڑے تھے' کیونکہ امی جان کا خیال تھا کہ شادی سے پہلے لڑکیوں کو قیمتی کپڑے نہ پہننے چاہئیں۔ نہ میں کبھی سینما گئی تھی کہ وہاں کی باتیں کرتی۔ میں نے کسی نرگس یا کامنی کوشل کو نہ دیکھا تھا' پھر بھلا میں کیونکر ان کی باتوں میں شامل ہوتی۔

میں خاموش بیٹھی اداس چہرہ اوپر اٹھائے ان کی باتیں سنتی رہتی۔ اور جب میری سہیلیاں کہتیں کہ تم بھی کوئی بات کرو' تو میں عجیب سی ہنسی ہنس کر کہتی کہ تم لوگ جو اتنی ساری باتیں کر رہی ہو' تو کیا وہ کم باتیں ہیں۔ اور پھر بھلا میں ان سے باتیں بھی کیا کر سکتی تھی۔ میری

باتیں کتابوں کی باتیں تھیں' گلاب کے پھولوں کی باتیں تھیں' اداسی کی باتیں تھیں' خاموشی کی باتیں تھیں۔ میں ان کو کیا بتاتی کہ میری زندگی ان لوگوں سے کس قدر مختلف ہے۔ انہوں نے کبھی گھر جا کر کھانا نہیں پکایا تھا' برتن صاف نہیں کئے تھے' فرش نہیں دھوئے تھے اور رات کو دو دو بجے تک بیٹھ کر کبھی زندگی کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ زندگی ان کے لیے سہانا خواب تھی۔ جسے میں دن کی روشنی میں بھی صاف نہ دیکھ سکتی تھی۔

یہ نہیں کہ میں ان کے ساتھ کبھی ہنسی ہی نہ تھی۔۔۔۔۔۔ نہیں' اکثر ہنستی تھی بلکہ انہی کی طرح بن کر رہنا چاہتی تھی' میرا بھی سینما دیکھنے کو جی چاہتا تھا' میرا بھی رنگین کپڑے پہننے کو جی چاہتا تھا' بھلا خوبصورت اور رنگین زندگی بسر کرنے کو کس کا جی نہ چاہتا ہوگا' مگر آدمی کا جو جی چاہے وہ بھلا کب ہوا کرتا ہے۔

اور ایسے موقعوں پر جب میں یہ سوچتی تھی کہ میں ان کی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتی تو پھر میں اداس سے بھی بڑھ کر اداس ہو جاتی تھی۔ اور یہی جی چاہتا تھا کہ بس روتی رہوں۔ خاموش' بے معلوم آواز میں روتی رہوں۔

والدہ کا کام یہ تھا کہ سارا وقت مجھ سے کام لیتی رہتی تھیں چاہے مجھے بخار ہو چاہے میں کتنی ہی اداس کیوں نہ ہوں۔ مگر ان کے کام سے میں انکار نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ اگر میں ذرا سی بھی ان کی نافرمانی کرتی تو مجھے فوراً کالج سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ ابا جان سے میری چغلیاں لگتیں اور میری فوراً کہیں نہ کہیں شادی کی تیاریاں شروع ہو جاتیں اور چچی جان جو ہمارے خلاف باتیں کرتی رہتی تھیں ان کے بارے میں ابا جان کو بتایا جاتا' مجھے طعنے ملتے اور زندگی نہ جانے کہاں سے کہاں نکل جاتی۔

زندگی بسر کرنے کے لیے مجھے اپنی ہر خواہش کو دبا کر اطاعت اور فرمانبرداری سیکھنی پڑ رہی تھی۔

میں آزادی کی زندگی بسر کرنا چاہتی تھی اور مجھے مجبوری کی زندگی بسر کرنی پڑ رہی تھی۔ مگر میں پھر بھی زندگی بسر کر رہی تھی' نہ جانے کس امید پر۔ میں کسی آنے والے خوشگوار وقت کے انتظار میں تھی۔ میں تنہائی میں' راتوں کی پراسرار خاموشی میں اکثر سہانے خواب دیکھتی۔

ایک بہت بڑا خوبصورت محل ہے اور میں وہاں کی شہزادی ہوں اور بڑی شان وشوکت سے ادھر سے ادھر آزادی سے پھر رہی ہوں۔

ہر ایک میرے آگے سر جھکائے کھڑا ہے اور میں آزاد و مختار ہوں۔ لیکن یہ شہزادیوں والے خواب میں بہت کم دیکھا کرتی تھی۔

اکثر یہ خواب دیکھتی' جیسے ایک بہت خوبصورت باغ ہے جس میں نہریں ہیں' چشمے ہیں اور پھولوں کے قالین بچھے ہوئے ہیں اور چاندنی

راتیں ہیں۔اور میں خاموش ایک درخت کے نیچے بے تابی سے بیٹھی اپنے شہزادے کا انتظار کر رہی ہوں۔مگر چاند اپنا بہت سا سفر طے کر چکا ہے۔اور میرا شہزادہ ابھی تک نہیں آیا۔اور میں اداس ہوں اور بہت ویران ہوں۔مگر شہزادہ نہیں آیا اور میری نیند ٹوٹ جاتی ہے۔اور میں دیکھتی ہوں کہ میں تو اپنے گھر میں ہوں' اور ایسے گھر میں جہاں شہزادے کا تصور تک برداشت نہیں کیا جا سکتا۔چہ جائیکہ میں کسی شہزادے کا انتظار کروں اور وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔

امتحان سر پر آ رہا تھا۔مگر میری تیاری پوری طرح نہ ہو سکی تھی اور ابا جان نے کہہ دیا تھا کہ اگر تم فیل ہو گئیں تو پڑھائی یہیں ختم ہو جائے گی اور تم آگے تعلیم حاصل نہ کر سکو گی اور پھر صاف ظاہر تھا کہ اگر میں پڑھ نہ سکوں گی تو پھر شادی ہی ہو گی۔نہ جانے کس نامردا نکلے گندے آدمی سے شادی ہو گی۔جو بیوی کی روح سے نہیں بلکہ اس کے جسم سے شادی کرے گا۔اور ایک ایک دن میں دس دس دفعہ شادی کرے گا۔اور تین چار سالوں کے بعد مجھے مار ڈالے گا۔ہائے! میں ایسا خاوند بھلا کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

اف خدا۔۔۔۔۔۔۔!

ان ماں باپ کو لڑکی کی شادی کے سوا اور کوئی بات نہیں آتی۔کیا یہ والدین اپنی لڑکی ہمیشہ اپنے پاس شادی کے بغیر نہیں رکھ سکتے۔بس جہاں لڑکی موجود ہے وہاں شادی کا ذکر موجود ہے۔

ابا جان ٹیوشن بھی نہیں رکھ دیتے' گھر کے کاموں سے بھی فرصت نہیں ملتی' پاس ہونے کی بھی دھمکی ہے' ماحول بھی خوشگوار نہیں' دل بھی اداس ہے' کوئی تفریح اور خوشی نہیں۔۔۔۔۔۔۔تو پھر زندہ کس لیے رہا جائے۔۔۔۔۔۔۔نہیں' رہنا چاہیے۔روشن مستقبل کی بھی کوئی امید نہیں' کئی سال بسر کر کے بھی کتنے ہی سہانے خواب کیوں نہ دیکھے جائیں' امید سے بھرے ہوئے مستقبل کے خواب اور زندگی ان خوابوں کے سہارے آسانی سے گزرنی بھی شروع ہو جائے۔لیکن اچانک پتہ بھی نہیں چلتا۔اور کبھی امی کا موڈ بگڑ جاتا ہے اور کبھی ابا خفا ہو جاتے ہیں۔بس امی اور ابا خفا ہی ہوتے رہتے ہیں۔پیار تو کبھی نہیں کرتے۔جہاں پیار نہ ہو' وہاں زندگی بسر نہیں ہوتی۔وہاں زندگی کا رنگ سرخ نہیں' زرد ہوتا ہے۔تو پھر کس طرح زندہ رہا جائے۔مر جانا چاہیے مگر مر بھی نہیں سکتے۔ہائے' موت سے ڈر بھی کس قدر لگتا ہے۔زندگی میں تو پھر روشن دن آ جاتے ہیں۔مگر موت تو ایک لمبی اور کالی رات ہے۔جس کے آسمان پر کبھی سورج نہیں نکلتا اور کبھی صبح نہیں ہوتی۔مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔اور ضرور زندہ رہوں گی۔نہیں ہر حال میں زندہ رہوں گی۔اور ایک بہتر زندگی پا کر زندہ رہوں گی۔

ابھی میں اپنے خوابوں کے سارے دریچے بند کردوں گی۔ اور اس وقت تک نہیں کھولوں گی جب تک کہ امتحان میں پاس نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ پاس ہونے کے بعد ہی بہتر زندگی پاسکوں گی۔

آج کل میں نے اپنی ڈائری لکھنی شروع کردی ہے۔ اور اس سے پہلے جو میرا دل اداس ہوجاتا تھا' اب اتنا اداس نہیں رہتا سارا وقت پڑھتے پڑھتے گزر جاتا ہے۔ امتحان کی تیاری کے لیے کالج سے چھٹیاں ہوگئی ہیں۔ اور صبح کو گھر کا سارا کام کرلیتی ہوں۔ اور پھر سارا دن پڑھتی رہتی ہوں۔ رات ابا جان نے بتایا تھا کہ ان کا تبادلہ کسی دوسرے شہر میں ہورہا ہے۔ اور میں نے پوچھا تھا' ابا جان کیا وہاں کالج ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں ہے' وہ تو پہاڑی علاقہ ہے جہاں پہاڑی علاقہ کے لفظ نے مجھے مسرور کردیا' وہاں کالج کے نہ ہونے کا سن کر دل ویران ہوگیا۔ انسان کی ہر خواہش کیوں نہیں پوری ہوجاتی۔

اگر ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو دوسری دم توڑ دیتی ہے۔ یہ خواہشیں جو پوری نہیں ہوتیں' ان کو نہ پورے کرنے والا کون سا ہاتھ ہے؟ کس کا ہاتھ ہے؟۔۔۔۔۔۔۔ اگر مجھے پتہ چل جائے تو میں اس ہاتھ کو جا کر جھنجھوڑ دوں اور پوچھوں کہ تیری ذرا سی جنبش سے ہماری تقدیریں بدل جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ پھر وہاں جا کر کیسے پڑھوں گی۔

یہ خیال میرے ذہن کو ویران اور اداس کررہا ہے۔ اے میرے خیالو! مجھ سے علیحدہ ہوجاؤ۔ میرا ساتھ چھوڑ دو تاکہ میں اداس نہ رہوں۔

امتحان ختم ہوگیا اور پرچے اچھے ہوگئے ہیں۔ امید ہے کہ پاس ہوجاؤں گی۔ کل آخری پرچہ دے کر آئی ہوں۔ رات کس قدر گہری نیند سوئی۔ کوئی خواب نہیں آیا۔ کچھ پتہ نہیں چلا کہ کہاں رات بسر کی ہے۔ پچھلے دو ماہ سے پوری نیند حاصل نہیں کرسکی تھی۔ روزانہ صبح کو اٹھ کر پڑھنے کا خیال آتا ہے مگر آج صبح اٹھی تو دونوں ہاتھ تھام کر بیٹھ گئی۔ یوں خالی ہاتھ لگ رہی تھی' جیسے اب کرنے کو کچھ نہیں رہا۔ آج بیٹھ کر اپنے کمرہ کو صاف کروں گی۔ سامان وغیرہ باندھوں گی۔ کیونکہ پتہ نہیں کب ابا جان کا تبادلہ ہوجائے اور ہم چلے جائیں۔ دل بڑا اداس ہے۔ سوچتی ہوں' میری زندگی بھی بھلا کیا ہے؟ آخر یہ میں کس کے لیے زندہ ہوں۔ کس کے لیے یہ سارا کچھ کر رہی ہوں۔ یہ میری ساری جدوجہد' یہ میری کوششیں' یہ میرا سوچنا' یہ میرا اداس ہوجانا' یہ آخر کس کے لیے ہے؟

یہ زندگی کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اس کا مقصد کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ پڑھنا' پڑھتے رہنا' یہ اس لیے کہ کہیں میری شادی نہ کردیں۔ مگر

یہ کیا ہے؟ میں تو ڈری ہوئی اور سہمی ہوئی زندگی گزار رہی ہوں۔ تھکی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے بناوٹی زندگی بسر کر رہی ہوں۔

تقریباً ہم سب لوگ ایسی ہی بناوٹی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے ڈر کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ ایسی زندگی بسر کی جائے جو دوسروں کو ناگوار نہ گزرے' دوسروں کو بری نہ لگے۔ زمانے کو بری نہ لگے۔

تو پھر ہم دوسروں کے لیے زندہ ہوئے نا! اپنے لیے تو زندہ نہ ہوئے۔

اپنے لیے کب زندہ رہیں گے؟ لیکن میں تو حیران ہوں کہ دوسروں کے لیے زندہ رہنے کے باوجود یہاں پر کوئی غمگین ہے' پریشان ہے' ویران ہے' دوسروں کے لیے زندہ رہنے کے باوجود دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے۔ دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتا ہے۔

کاش! ہر شخص اپنے لیے زندہ رہے اور دوسروں کے معاملوں میں دخل اندازی نہ کرے۔ اور دوسروں کے ساتھ کمینگی نہ برتے' تو کتنا اچھا ہو۔ لیکن یہاں تو محض ڈرنا سکھایا جاتا ہے۔ گھروں کے اندر والدین' دادا' دادی اور بڑے بہن بھائیوں سے ڈرو' گھر کے دروازے کے باہر ہمسایوں سے ڈرو' اس کے بعد رشتہ داروں سے ڈرو اور کوئی ایسا کام نہ کرو جوان کو ناگوار گزرے۔۔۔۔۔۔ لیکن جو ہم کو ناگوار گزرتا ہے' اس کا تو دوسرے کوئی خیال نہیں کرتے۔

امی بلا رہی ہیں' اب میں اسے بند کر کے جاتی ہوں۔

ابا جان کے تبادلہ ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ سارا دن یونہی اداسی میں گزر جاتا ہے۔ زرد دھوپ چاروں طرف چھائی رہتی ہے۔

رات میرا دل بہت اداس ہو گیا تھا۔ میں کام سے فراغت پا کر اوپر چھت کے ایک سنسان کونے میں جا بیٹھی۔ ان خاموش اور یکسوئی کے ویران لمحات میں کسی اچھوتے غم کا مجھے احساس ہوتا ہے۔ چاروں طرف دکھی دکھی چاندنی فرط غم سے سمٹی جا رہی تھی۔ دور ٹہنیوں کے پیچھے سے چاند ابھر رہا تھا۔ گول اور مسحور کر دینے والا چاند۔۔۔۔۔۔ میں بے خودی ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ ہلکی ہلکی چاندنی چاروں طرف پھیلتی جا رہی تھی اور پر گہرا نیلا آسمان تھا کہیں کہیں پھیکے سے ستارے چمک رہے تھے۔ چاند کی تیز روشنی میں کوئی ستارہ اپنی پوری روشنی نہیں دے رہا تھا۔ چاند کی محبت کے سامنے ان کی محبت ماند پڑ رہی تھی۔

اور میں نے سوچنا شروع کر دیا۔ کس قدر اچھا ہو جو میری زندگی یہیں ٹھہر جائے۔ یہیں رک جائے۔ اور میں یونہی تنہا بیٹھی چاند کو دیکھتی رہوں۔ کاش! زندگی ایک ایسا سہانا خواب بن جائے' جسے میں تاروں کی چھاؤں میں گھاس اور پتیوں پر لیٹ کر دیکھوں' دیکھتی رہوں۔ ایسے اجنبی اور انوکھے لمحے مجھے بڑے عزیز ہوتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جو مجھے سب کچھ بھلا دیتا ہے' میری آنکھوں میں اپنے آپ آنسو آجاتے ہیں۔ چاروں طرف ایک اجنبی خاموشی پھیل رہی تھی۔ چاند اور بلند ہو رہا تھا۔ چاند کی چاندنی اور اس کی اداس وملول فضا۔۔۔۔۔۔۔ یہ مجھے ہمیشہ سے پسند ہے۔ مجھے اس کی مرمریں روشنی میں ہلکا ہلکا غم' کرب' سوگ اور بے کلی گھلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جب چاند اپنی سوگوار کرنیں پھینکتا ہے تو مجھے ساری کائنات خواب بن کر فضا میں تیرتی محسوس ہوتی ہے۔ فضا اور ماحول سے متاثر ہو کر بعض دفعہ عجیب عجیب سے خیالات دماغ میں آتے ہیں۔ انسان بالکل اسی ماحول کا ایک جز و معلوم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ ابھی کچھ دیر اور اس کا طلسم نہ ٹوٹے۔ انسان ذاتی طور پر بہت مضطرب ہے تو وہ بہت حساس ہو جاتا ہے۔

میرا دل اور بھی اداس ہوتا گیا۔ اور نہ جانے مجھے کیا ہوا کہ میں نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ مجھے ایک دم اپنی امی یاد آگئیں۔ اگرچہ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی' تیسری کلاس میں پڑھتی تھی۔ مگر پھر بھی مجھے امی کی یاد نے بہت رلانا شروع کر دیا۔ کاش! میری امی اس وقت زندہ ہوتیں تو پھر شاید میرا دل اتنا اداس اور غمگین نہ ہوتا اور اگر ہوتا بھی تو میں بھاگ کر جاتی۔ اور ان کی پر محبت آغوش میں کھو جاتی۔ امی کی گود میں جا کر لیٹ جاتی۔

نہ جانے کیوں مجھے اپنی زندگی خالی خالی محسوس ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کوئی اپنا ہو' بہت پیارا اپنا ہو جس کے سینے کے ساتھ لگ کر میں روتی رہوں۔ پتہ نہیں میرا دل کیوں اتنا ویران ہو جاتا ہے۔ اور تو کسی لڑکی کو میں نے یوں اداس نہیں دیکھا۔ لڑکیاں ہنستی ہیں' خوش رہتی ہیں مگر میں بہت اداس رہتی ہوں۔

ننھی بلو کے فراکوں کے لیے کچھ کپڑا خریدنا تھا۔ امی کی طبیعت خراب تھی۔ اتنے میں رضیہ میری سہیلی جو ہمارے ساتھ کے مکان میں رہتی ہے' وہ آگئی تو امی نے کہا تم اس کے ساتھ جا کر لے آؤ۔ اور میں کپڑا خریدنے کے لیے چل دی۔ میں اور رضیہ راستے میں باتیں کرتی جاتی تھیں۔ کچھ دکانوں پر کپڑا دیکھا مگر پسند نہ آیا۔ رضیہ کہنے لگی۔ اب آگے چل کر دیکھیں گے۔ مجھے دیر ہو رہی تھی۔ میں نے کہا' رضیہ! امی خفا ہوں گی' تم جلدی چلو تمہیں پتہ ہی ہے امی نے آتی دفعہ کیا کہا تھا' کہ جلدی پلٹ آنا' کہیں سہیلیوں میں ادھر ادھر نہ چلی جانا۔ حالانکہ رضیہ تمہیں پتہ ہے میں کبھی سہیلیوں کے ہاں نہیں گئی۔ نہ میری کوئی سہیلیاں ہیں مگر امی کو یونہی شک ہوتا رہتا

ہے۔

آخر ایک دکان پر کپڑا پسند آ ہی گیا۔ دوکان پر پہنچ کر ہم دونوں نے نقاب الٹ دی تھی۔

اچانک مجھے کسی مردانی آواز کا احساس ہوا جو میرا نام لے رہا تھا۔ پہلے تو میں نے خیال نہ کیا کہ یہ کون ہو سکتا ہے، مگر جب دو تین بار مجھے ہی پکارا گیا تو میں نے پلٹ کر دیکھا اور میری جان ہی نکل گئی۔ سلیم کھڑا تھا اور اس کے ساتھ اس کا دوست مسعود بھی تھا۔

میں نے جلدی سے گھبرا کر نقاب ڈال لی اور رضیہ سے کہا' رضیہ! جلدی چلو بہت دیر ہوگئی ہے۔ مجھ سے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں ٹھہرا جاتا۔ ہم کپڑا پھر آن کر لے لیں گے۔

رضیہ کہنے لگی۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہے' کپڑا خریدنے آئیں اور کپڑا نہ لیں۔ آخر ایسا کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اور پھر اس نے دوکاندار سے کہا۔ ذرا جلدی سے ہمیں پہلے یہ کپڑا دے دو۔

میرا دل نہ جانے کیوں اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا پھر ہم نے کپڑا لیا اور گھر کی طرف چل دیں۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ آخر ایک سنسان سی جگہ پر آن کر میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو دونوں آ رہے تھے۔ میرے ہونٹ اور حلق خشک ہو گئے۔

رضیہ نے پہلے پیچھے دیکھا اور پھر میری طرف۔۔۔۔۔۔اور کہنے لگی۔ بات کیا ہے؟

میں نے کہا۔ نہ جانے کون بدمعاش ہیں یہ! کتنی ہی دیر سے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔

رضیہ کہنے لگی' تم ٹھہرو میں انہیں ابھی ٹھیک کرتی ہوں۔

میں نے کہا' خدا کے لیے ان لوگوں کے منہ نہ لگو' چلو جلدی چلو' ہم اپنے گھر چلے جائیں۔ اگر کوئی بات بڑھ گئی تو مجھے تو ابا جان زندہ ہی جلا دیں گے۔

رضیہ کہنے لگی' اے تم خواہ مخواہ خوفزدہ ہو رہی ہو۔ ان حرام زادوں کی بھلا اتنی ہمت ہے کہ کچھ کہہ سکیں۔

ایک دو بار رضیہ نے جو پلٹ کر دیکھا تو سلیم ذرا آگے آ گیا۔ اور کہنے لگا۔ جمیلہ! کہو کیا حال ہے؟ تم نے تو ہمیں بالکل ہی بھلا ڈالا ہے۔ کم از کم مجھے بھلایا تھا تو مسعود کو تو نہ بھلایا ہوتا۔

رضیہ نے پھٹی پھٹی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ رضیہ! خدا کی قسم' میں ان بدمعاشوں کو نہیں جانتی' یوں لگتا ہے جیسے یہ میرے چچا سلیم کا لڑکا ہے اور دوسرا نہ جانے کون ہے۔ تمہیں ان کا نہیں پتہ' گھر جا کر تمہیں بتاؤں گی۔

اور ان دونوں نے ہم کو یوں دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ گلی میں ایک موڑ آ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مکان تھا۔ اس کی

ڈیوڑھی بہت بڑی تھی۔ میں نے کہا' رضیہ ٹھہر جاؤ۔ ہم یہاں چھپ جاتے ہیں۔ یہ آگے نکل جائیں گے تو پھر گھر جائیں۔ رضیہ کہنے لگی' تو کیا اب دیر نہ ہوگی۔ تم کیوں ان سے ڈرتی ہو ان کی کیا مجال جو تمہیں کچھ کہہ جائیں۔ اگر یہ ذرا اور آگے آئے تو ہم لوگوں کو بتا دیں گے۔

میں نے کہا' خدا کے لیے رضیہ! تم ٹھہر جاؤ۔ تم میری سہیلی ہو' میری بات مان لو' تمہیں نہیں پتہ یہ بہت بدمعاش ہیں یہ تو جان بوجھ کر فساد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کا کچھ نہ جائے گا میں بدنام ہو جاؤں گی۔ ابا مجھے مار ڈالیں گے اور لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں کریں گے۔ اگر مجھے امی اور ابا پر یقین ہوتا کہ وہ حالات کو صحیح روشنی میں دیکھیں گے تو میں بھی ان کو جوتیاں لگوا کر پولیس کے حوالے کر دیتی۔ مگر تم نہیں جانتیں' لڑکیوں کے معاملے بڑے نازک ہوتے ہیں اور ان نازک معاملوں میں والدین لڑکیوں کی سچائی نہیں دیکھتے بلکہ سنی سنائی باتوں پر ایمان لے آتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر کئی جھوٹے نبی پیدا ہو جاتے ہیں جو یقین دلا دیتے ہیں۔

میرا رنگ فق ہو رہا تھا' میرا جسم کانپ رہا تھا۔ حلق اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ ہم مکان کی ڈیوڑھی میں چھپ گئے۔ اور دس پندرہ منٹ کے بعد جب ہم نے باہر دیکھا' تو وہ دونوں نہیں تھے۔ میری جان میں جان آ گئی۔ میں نے کہا' رضیہ! وہ ضرور آگے کی طرف گئے ہیں۔ ہم پیچھے پلٹ جاتے ہیں اور واپس بازار جا کر بازار کے راستے گھر جاتے ہیں۔

دیر بہت ہو رہی تھی' مگر رضیہ نے میری بات مان لی۔ اب جونہی ہم نے مکان کی گلی میں قدم رکھا تو یہ دیکھ کر میں لرز اٹھی کہ وہ دونوں کھڑے ہنس رہے تھے۔

سلیم کہنے لگا' اب بچ کر کہاں جاؤ گی؟ اتنی مدت کے بعد ملی ہو' تو کیا تم سمجھتی ہو ہم تمہیں یونہی جانے دیں گے۔ میری جان تم اب تو گھر نہیں جا سکتیں اور اگر شور مچاؤ گی تو سارے محلے میں بدنام ہو جاؤ گی۔ تمہارے باپ کا نام بدنام ہو جائے گا اور وہ تمہیں زہر دے دے گا۔

چلو ہمارے ساتھ!

رضیہ کہنے لگی' اگر تم لوگوں نے ایک قدم بھی آگے اٹھایا' تو یاد رکھنا ابھی پولیس کے حوالے کر دیں گے۔

سلیم ہنس کر کہنے لگا۔ لیکن میری جان! تمہیں بھی تو پولیس کے ساتھ حوالات میں بیان دینے کے لیے جانا ہی پڑے گا نا' پھر بتاؤ کیسی بدنامی ہوگی۔

میں نے کہا' میں کہہ دوں گی یہ بدمعاش آدمی ہے اور ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

سلیم کہنے لگا' لیکن میں ان سے کہوں گا کہ یہ تو میری بیوی ہے۔ میری اس کی بچپن کی منگنی ہو چکی ہے اور یہ مجھ سے ہزاروں روپے لے کر کھا چکی ہے اور میرے ساتھ کئی راتیں سوتی رہی ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھے چھوڑ دیا اور میرے اس دوست مسعود سے شادی کر لی۔

کیوں بے مسعود' ٹھیک ہے نا!

اور مسعود حرام زادہ جو سگریٹ پی رہا تھا' سگریٹ کا آخری کش لگا کر اسے زمین پر پھینک کر بڑی ادا سے پاؤں تلے مسل کر جاسوسوں جیسی مسکراہٹ ہونٹوں پر لا کر بولا۔

کیوں نہیں' میرے ساتھ تو اس نے شادی کا بھی وعدہ کیا ہوا ہے۔

ہم دونوں کھڑی کانپ رہی تھیں کہ کہیں کوئی اپنا ہمسایہ نہ دیکھ لے' کوئی دیکھ نہ لے۔ آخر رضیہ کی چالاکی کام آئی۔ کہنے لگی۔

اچھا' اگر یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہی ہوگی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ لڑکی اس قدر خراب اور ذلیل ہے۔ اور اس نے تم جیسے شریف لوگوں کو برباد کر دیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں' آپ کوئی فکر نہ کریں۔ اگر یہ آپ کی امانت ہے تو آپ تک ضرور پہنچا دوں گی۔ مگر مجھ سے ایک وعدہ کرو۔

سلیم جلدی سے بولا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ کیا؟

رضیہ کہنے لگی۔ میں تم لوگوں کو قول دیتی ہوں کہ جمیلہ کو تم لوگوں تک ضرور پہنچا دوں گی' مگر ایک وعدہ پر۔ وہ یہ کہ تم اس وقت ہم کو جانے دو۔ کیونکہ میں اسے ابھی ٹھیک کروں گی۔ اور دوسرے اس کی والدہ ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔ اور پھر شام بھی ہو رہی ہے۔ اور اگر یہ اب گھر نہ گئی تو بہت بری بات ہوگی۔ لیکن میں وعدہ کرتی ہوں کہ یہ کل ٹھیک دس بجے آپ جہاں کہیں گے' وہیں آ جائے گی۔ میں کسی نہ کسی بہانے سے اسے پہنچا دوں گی۔

مسعود کہنے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔اور اگر یہ بات جھوٹ ثابت ہوئی تو؟

سلیم کہنے لگا' بالکل نہیں' بالکل نہیں' یہ سراسر دھوکہ ہے تم کو اسی وقت ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔

رضیہ نے ذرا مچل کر کہا۔ تو پھر تم کو مجھ پر یقین نہیں ہے حالانکہ میں نے تمہیں اپنا سمجھ کر بڑے مان سے کہا تھا۔ تم نے ہمارا دل توڑ دیا ہے۔ اب نہ ہم سے بولنا۔

سلیم کہنے لگا۔ تو کیا خفا ہو گئی ہو؟

رضیہ بولی۔ہاں ہاں' خفا۔۔۔۔۔۔۔بالکل خفا

اچھا خفا نہ ہو'میں تمہاری بات کا اعتبار کرتا ہوں لیکن اپنا نام بتاتی جاؤ اور اپنی شکل بھی دکھاتی جاؤ۔اور یاد رکھو اگر کل نہ آئیں تو ہم مکان کا دروازہ کھٹکھٹا دیں گے۔

تم کتنے بے اعتبارے ہو'جب ایک دفعہ وعدہ کر دیا تو پھر چاہے جان چلی جائے مگر وعدہ ضرور پورا ہوگا۔

اچھا اپنا نام بتاؤ۔

سچ سچ بتاؤں جا جھوٹ؟

نہ'بالکل سچ

میرا نام زاہدہ ہے۔

کتنا پیارا نام ہے اور مکھڑا تو اس سے بھی زیادہ پیارا ہوگا۔لو اپنا نقاب ہٹا کر چہرہ دکھاؤ۔

لیکن یہاں راستے میں کیسے دکھاؤں؟

پھر کیا ہے'بس ذرا سا پلٹ دو۔

لو دیکھ لو۔

ہاں دیکھ لیا'بہت پیاری ہو۔اچھا تو اب جاؤ اور کل دس بجے اسی جگہ آ جانا۔

بہت اچھا!

لیکن دیکھو'وعدہ ضرور پورا ہو۔

ضرور۔۔۔۔۔۔۔ضرور

اور جب وہ نامراد چلے گئے تو ہم دونوں گھر میں داخل ہوئیں۔

میں نے کہا'رضیہ!میری جان سے پیاری سہیلی!تم کتنی سمجھدار اور کتنی عقلمند اور کتنی اچھی ہو۔تم نے کسی خوبی سے ان کو ٹرخایا ہے۔ورنہ وہ کبھی نہ جاتے۔

رضیہ کہنے لگی۔

اور تم جمیلہ!تم سراسر بدھو ہو'بالکل پاگل۔اگر ایسے موقعوں پر انسان اوسان خطا کر لے' تو پھر بالکل ہی بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔

ورنہ تم دیکھتیں کہ یہاں کیا ہو جاتا۔

ہائے رضیہ بہن اگر میں اکیلی ہوتی تو کیا ہوتا۔ میں تو بے ہوش ہو کر گر پڑتی۔ لیکن رضیہ کل کو کیا ہو گا؟

رضیہ بولی۔ ابھی تم چپ رہو کل دیکھا جائے گا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں جانے دوں گی۔ توبہ چلو اوپر چلیں۔ پہلے ہی بہت دیر ہو رہی ہے۔ میری امی بھی خفا ہوں گی۔ میں ابھی خالہ کو سارا کچھ بتا دوں گی۔

خدا کے لیے رضیہ یوں نہ کرنا' ورنہ میں زندہ دفن کر دی جاؤں گی۔ تم نہیں جانتیں' میرے ابا کس قدر سخت ہیں۔ وہ پہلے ہی لوگوں سے سنتے ہیں کہ سلیم ہمارے خلاف کیا کیا کچھ کہتا ہے' اور اگر اب ان کو یہ پتہ چل گیا تو وہ تو کل کی بجائے آج ہی میری شادی کر دیں گے۔ اور تم جانتی ہو مجھے شادی سے نفرت ہے۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ پھر کیا ہو گا؟ تم ابھی خدا رسول کے واسطے چپ رہو اور گھر میں کوئی اور بہانہ کر دیتے ہیں کہ کیوں دیر ہو گئی اور بعد میں دیکھا جائے گا۔

لیکن رضیہ بولی' اگر انہوں نے کل کو آن کر دروازہ کھٹکھٹا دیا تو؟

کبھی نہیں.......... میں نے کہا۔ رضیہ ان کی اتنی جرات نہیں ہے۔ وہ جب خود آ کر دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو ابا جان خود سمجھ لیں گے۔ کیا پتہ وہ نہ ہی آئیں اور تم آج کا واقعہ سنا کر میرے لیے مشکلات پیدا نہ کرو۔ اگر وہ نہ آئے تو اس سے زیادہ اچھی اور کوئی بات نہیں۔ اور اگر وہ آ گئے تو پھر دیکھا جائے گا۔

غرضیکہ رضیہ مان گئی اور ہم امی کے کمرہ کی طرف گئے۔

امی نے مجھے دیکھ کر برا سا منہ بنایا اور کہا۔ اتنی جلدی کا ہے کو آ گئی ہو ذرا اور سیر کر کے آنا تھا۔

رضیہ بولی۔ خالہ جی! ہم تو بہت جلد آ جاتے مگر راستے میں نسیمہ کا نوکر مل گیا اور ہم نے اس سے نسیمہ کا حال پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ سخت بیمار ہے۔ اسے ڈبل نمونیا ہو گیا ہے۔ یہ سن کر پھر کیسے رہا جاتا؟ اور پھر مکان بھی اسی بازار میں تھا۔ بس وہاں چلے گئے۔ جمیلہ تو جاتی بھی نہیں تھی' میں زبردستی لے گئی تھی۔

امی بولیں۔ لیکن دیکھو' شام ہونے کو آ گئی ہے اور ابھی اس کے ابا دفتر سے آ جائیں گے اور کھانا تک تیار نہ ہو سکا۔

میں نے کہا۔ امی جی! آپ فکر نہ کریں۔ میں پانچ منٹ میں ہی تیار کر لیتی ہوں۔ میں ابھی جاتی ہوں' یہ فراک تم دکھا دو رضیہ۔ اور میں باورچی خانے کی طرف چل دی۔

آگ جلائی' مگر آگ بجھ گئی۔ پھر جلائی' پھر بجھ گئی۔ لکڑیاں گیلی تھیں۔ دھوئیں میں سارا کمرہ بھر گیا۔ میری آنکھوں سے آنسو

بہنے شروع ہو گئے۔ اپنی امی ہوتیں تو یوں دھوئیں میں مجھے گھرا دیکھ کر کس قدر پریشان نہ ہوتیں۔ وہ مجھے لیڈی ڈاکٹر بنانا چاہتی تھیں۔

حالانکہ ابا جان کی سات سو روپیہ ماہوار تنخواہ ہے۔ تو کیا یہ کام کرنے کے لیے نوکر نہیں رکھ سکتیں؟ ابا جان نے کئی بار کہا ہے مگر میرے ہوتے ہوئے امی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ نوکر رکھیں۔

امی کہتی ہیں' لڑکیوں کو کھانا پکانا سیکھنا چاہیے۔ ضرور سیکھنا چاہیے لیکن اگر ہزار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی نہ سیکھے گی تو کیا ہو جائے گا۔ اور پھر اس کے حالات کا بھی یہ تقاضا نہیں کہ وہ ضرور کام کرے۔

آگ جلائی اور کھانا تیار کرنے لگی۔

دل غم سے نڈھال ہو رہا تھا کہ کل کیا ہو گا۔ یہ نامراد سلیم کہاں سے آ گیا۔

اگر امی اور ابا کو پتہ چلا تو وہ مجھے آگے پڑھنے کو کبھی کالج نہ بھیجیں گے۔

رات ہوئی۔ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس لیے دو چار نوالے ہی نگلے۔

رات گہری ہو گئی۔ بارہ بجے' ایک' دو۔۔۔۔۔۔۔ وقت ہولے ہولے بیتنے لگا۔ مگر نیند تھی کہ آنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ کئی بار روئی' یہی سوچتی تھی کہ اگر امی کی وفات کے بعد ابا مجھے اپنے پاس رکھتے تو سلیم کو یہ جرات تو کبھی نہ ہوتی۔ اور وہ میری زندگی یوں خراب تو نہ کرتا۔

لیکن شاید ابا کا بھی قصور نہیں ہے۔ ابا تو یہی چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی زیادہ سے زیادہ محفوظ طریقے سے رہے۔ اس لیے انہوں نے چچی کے سپرد کیا تھا۔ لیکن چچی کو بھی کیا خبر تھی۔

لیکن نہیں' چچی کو خبر تھی اور ضرور خبر تھی کہ سلیم مجھے تنگ کرتا ہے' مجھے ستاتا ہے' میرے چٹکیاں لیتا ہے' میرا منہ چومتا ہے۔ میں بھلا کوئی چھوٹی سی تو نہ تھی۔

اچھے خدا میری مدد کرنا۔ میری عزت تمہارے سپرد ہے۔ اے رب العزت! اے پھولوں کو مہک اور ستاروں کو روشنی بخشنے والے بلند معبود

اے نیلے آسمان پر رہنے والے خدا۔۔۔۔۔۔۔ میں بن ماں کی بچی ہوں۔ میری حفاظت کرنا۔ ان دونوں نامرادوں کو رات رات نیست و نابود کر دینا۔ اور کل کا دن خوشیوں کا دن طلوع کرنا۔

میرے پیارے خدا تم جانتے ہو میں کیسی لڑکی ہوں۔ مجھے میری نیت کی مراد دینا۔

آج کئی روز کے بعد ڈائری لکھنے کے قابل ہوئی ہوں۔ کل ہم اس شہر سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اس گھر کو الوداع کہہ دیں گے۔ ہم تو ابھی کسی جگہ نہ جاتے' مگر نامراد سلیم کی وجہ سے جلد جا رہے ہیں۔ دوسرے روز تو وہ نامراد نہیں آیا تھا مگر تیسرے روز اس نے کیا کیا کہ مسعود کے ہاتھ ایک رقعہ بھیجا' جس میں لکھا تھا۔

میری جان' میری ہون والی بیوی جمیلہ!

آئینہ دیکھ کر میری طرف سے اپنا منہ چومنا

میری پیاری! وعدہ کے باوجود اس دن تم نہ آئیں نہ زاہدہ آئی۔ میں تمہارے بغیر اب زندہ نہیں رہ سکتا۔ یا تو میرے پاس بھاگ کر آ جاؤ یا پھر گھر والوں کو کہو کہ وہ میرے ساتھ تمہاری شادی کریں۔ میں اب تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمہارا خوبصورت جسم مجھے یاد آتا ہے۔ اور وہ تل بھی جو تم نے مجھے دکھایا تھا۔ تمہاری چھاتی پر یہ تل کتنا پیارا لگ رہا تھا۔ مجھے وہ تل کب دکھاؤ گی؟ کل میں اسی جگہ جہاں تم ملی تھیں کھڑے ہو کر تمہارا انتظار کروں گا۔ ضرور آنا ۔۔۔۔۔۔۔ فقط

تمہارا خاوند ۔۔۔۔۔۔ تمہارا چاہنے والا عاشق' م ۔۔۔۔ س)

میں اوپر چھت پر بیٹھی تھی کہ نیچے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگ گیا۔ کیونکہ دروازہ کھٹکھٹانے کا انداز بڑا اجنبی' بڑا خوفناک تھا۔ میرے پاس امی بیٹھی تھیں اور ماسی زینب بھی جو بازار سے سودا وغیرہ لاتی ہے۔

امی نے زینب کو بھیجا کہ جا کر دیکھو کون ہے۔ زینب نے کھڑکی سے دیکھ کر کہا کہ کوئی آدمی کھڑا ہے۔ کہتا ہے' نیچے آن کر یہ خط لے جاؤ۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا مگر میں کچھ نہ کر سکتی تھی۔

ماسی زینب نیچے رقعہ لینے گئیں۔

وہ نامراد کہنے لگا۔ یہ رقعہ جا کر جمیلہ کو دینا اور کسی کو نہ دینا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

ماسی رقعہ لے کر اوپر آئی اور اسی طرح لفظ دہرا دیئے۔ میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے رقعہ پکڑا۔ میرا فق رنگ دیکھ کر امی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

کہنے لگیں۔

ماسی! رقعہ مجھے دو' لاؤ ادھر ۔۔۔۔۔۔ جمیلہ ادھر دے دو۔

یہ لیجئے۔ میری آواز جیسے کسی ریگستان سے اٹھ رہی تھی۔ انہوں نے رقعہ پڑھا اور دانت پیستے ہوئے کہنے لگیں۔

''تو یہ بات ہے۔ ہاں' میں پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ جو سارا سارا وقت کھوئی کھوئی سی رہتی ہے اور راتوں کو جاگتی ہے دال میں ضرور کالا کالا ہے۔ لے پڑھ لے اپنے یار کا خط۔ ہم سے پوچھے بغیر ہی تو نے اپنا خاوند چن لیا۔

میں نے کہا۔ امی جی! خدا کے لیے یوں نہ کہیں' میں تو جانتی بھی نہیں کہ یہ کون نامراد ہے۔ اور اس نے کیوں ایسا خط لکھا ہے۔

ہاں ہاں' تو کیوں جاننے لگے گی۔ تیری زبان کو چاٹ لگی ہوئی ہے۔ اسی لیے تو تو روتی تھی کہ کالج ضرور داخل ہونا ہے تا کہ آنے جانے کا سلسلہ بن جائے۔ میں بھی کہتی تھی کہ بھلا ایسا شوق کہاں سے تجھے آ گیا۔

کیا سلیم کا واقعہ کوئی کم واقعہ ہے۔ اس سے تیری تسلی نہ ہوئی تھی؟

سلیم سچ کہتا تھا کہ تیرا کوئے اور یار بھی ہے۔ تبھی تو نے وہاں شادی نہ کی تھی۔ میں نے تو ان کو جھوٹا سمجھا تھا مگر اب پتہ چلا ہے کہ وہ سچے تھے۔ آج تیرا باپ آئے' یہ خط اسی کو ملے گا۔

کیوں ماسی زینب! کیا ایسا اندھیر بھی کبھی سنا تھا۔ لوگ پھر کہیں گے' سوتیلی ماں تھی جوان لڑکی کا خیال نہ کیا۔ پتہ نہیں اس کے باپ کو کیا ہو گیا ہے۔ جوان لڑکی کو گھر پر بٹھا رکھا ہے۔ میں تو کہتی تھی کہ شادی کر دو۔ اب اسے پتہ چلے گا جب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔

میں تو اپنی شہزادی بلو کی بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہی شادی کر دوں گی۔ نہ بابا' لڑکیوں کی رکھوالی نہیں ہو سکتی۔ اب تم ہی کہو میں اس کا کتنا خیال نہیں رکھتی تھی۔ ذرا بھی ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتی تھی۔ مگر دیکھ لو اس کا یار نکل ہی آیا ہے۔

میں روتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی۔

امی جی! مجھے تو پتہ ہی نہیں کہ یہ کون نامراد ہے۔ امی میری۔۔۔۔۔۔ میری بات کا اعتبار کرو۔ امی مجھے آپ کی عزت کا خیال ہے۔ میں ایسی حرکت کیسے کر سکتی تھی۔ ابا جان کو نہ کہنا' اچھی امی! میں ساری عمر آپ کی خدمت کروں گی۔ مگر ان کو نہ کہنا۔ آپ خود میری ماں ہیں' آپ خود اس واقعہ کی تحقیق کریں۔ اگر یہ بات سچ نکلے تو پھر بے شک ابا جان کو کہہ دیں' مگر ابھی نہ کہیں۔

پیاری امی! یہ سراسر انہی ذلیل لوگوں کی شرارت ہے۔ یہ سلیم نامراد کی شرارت ہے۔

امی کہنے لگیں' مگر دو سالوں کے بعد وہ کیسے شرارت بیٹھے بٹھائے کر سکتے ہیں۔

میں نے کہا' نہیں امی یہ انہی کی شرارت ہے۔

امی کہنے لگیں۔تو پھر تمہیں پتہ ہوگا۔

نہیں' مجھے ان کا کیا پتہ؟ لیکن اور تو کوئی بات ہی نہیں ہے امی جان!

میں نے امی کی بہتیری منتیں کیں۔مگر امی نے جھڑکیوں کے درمیان کچھ نہ سنا۔میرا دل ایک دم اداس ہوگیا۔میں نے اپنے آنسو خشک کئے۔اور چپکے سے اٹھ کر اپنے کمرہ میں آ گئی۔اندر سے دروازہ بند کیا اور شال اوڑھ کر پلنگ پر لیٹ گئی اور پھر اس قدر روئی اس قدر روئی کہ آنسوؤں کا آخری قطرہ تک نچڑ گیا۔

مجھے اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔ماں۔۔۔۔۔۔۔میری پیاری ماں! اگر تو اس دنیا میں ہوتی' اپنے اس گھر میں ہوتی' یہاں ہوتی' میرے پاس ہوتی' تو ماں میں تیری گود میں سر رکھ کر روتی' میں تجھے ایک بار منت سے نہیں مچل کر ہی کہتی کہ یہ جھوٹا ہے' ابا کو نہ بتانا تو میری ماں تو انہیں کبھی نہ بتاتی۔میری بات کا یقین کر لیتی۔ماں تو کیوں اتنی جلدی مجھ سے روٹھ کر چلی گئی۔تو مجھے بھی ساتھ لے جاتی ماں! میری پیاری ماں!

اور میں بلک بلک کر روتی رہی۔جوں جوں رات ہو رہی تھی' ابا کے آنے کا وقت ہو رہا تھا' مجھے بخار ہو رہا تھا۔

آخر کار ابا آئے۔ان کو بتایا گیا' نمک مرچ لگا کر۔وہ سیدھے میرے کمرے میں آئے۔میں پلنگ پر لیٹی تھی۔اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''جمیلہ۔۔۔۔۔۔۔!'' ایک گرج دار آواز گونجی۔

''جی ابا جان!''

''یہ کس کا خط آیا ہے؟''

پہلے تو جی چاہا' بالکل خاموش رہوں۔جو ابا جان کا جی چاہے وہ کہیں۔جو والدہ کا جی چاہے وہ کرے۔میں مار تک کھانے' بلکہ زہر تک پینے کو تیار ہو گئی تھی۔مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی۔

سوچتی تھی' جب میری بات کا کوئی یقین نہیں کرے گا' تو ان سے کچھ بھی کیوں کہوں؟

میں تو امی کی بھی اتنی منتیں کر کے پچھتا رہی تھی۔جب کوئے سچائی کو سمجھنے والا' ماننے والا اور سننے والا نہیں تو انسان پھر کیوں ذلیل ہو؟

جب میری بات کا کوئی یقین نہیں کرتا' تو پھر میں کاہے کو یقین دلاؤں؟

مگر میں خاموش نہ رہ سکی۔ایک بار کوشش کر کے دیکھنے کو دل چاہا کہ شاید ابا میری بات کا یقین کر لیں اور اگر نہ کریں گے تو پھر جو

بھی عتاب نازل ہوگا' سہہ لوں گی مگر پھر منت نہ کروں گی۔

اور میں نے کہا۔

ابا جان! یہ بالکل جھوٹا خط ہے۔ خدا جانے کس نامراد نے دشمنی سے بھیجا ہے۔ یہ چچی کے گھر سے ہی کسی کی شرارت لگتی ہے ابا جان! میں آپ کو خدا پاک کی قسم کھا کر یقین دلاتی ہوں کہ میرا اس خط سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن ابا جان بولے' اگر کوئی بات نہیں ہے تو پھر بیٹھے بٹھائے اتنی دیر کے بعد کسی کو جرات کیونکر ہوئی کہ وہ ایسا خط لکھے۔

ابا جان! میں آپ کو کچھ نہیں کہتی' آپ خود تحقیق کر کے دیکھ لیں اگر میں کوئی ایسی خراب لڑکی ثابت ہوئی اور خط کا آنا صحیح ثابت ہوا تو پھر ابا جان' آپ مجھے خاموشی سے زہر کا پیالہ لا کر دے دیں اور آپ یقین کریں میں آپ کی عزت کی خاطر اسے چپ چاپ پی لوں گی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔

یہ سن کر ابا جان خاموش ہو گئے۔ اور جب اٹھ کر جانے لگے تو کہنے لگے۔

کسی سہیلی کو نہ تو خط لکھنا ہے اور نہ کہیں جانا ہے۔ میں دیکھ لوں گا کہ خط لکھنے والا کون ہے؟

میں نے بخار کی وجہ سے رات کو روٹی نہ کھائی۔ دوسرا دن خاموشی سے گزر گیا۔

ابا جان دفتر سے آتے ہی سیدھے میرے پاس آئے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی نہ آتے تھے۔ مہینوں گزر جاتے تھے۔ تب کہیں جا کر وہ میرے کمرے میں آتے تھے۔

تیسرے دن دوپہر کی ڈاک سے پھر ایک خط آیا۔

میری جان جمیلہ!

تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا۔ نہ تم ملنے کو آئیں۔ میں سارا وقت کھڑا انتظار کرتا رہا۔ میں ایک بار تمہیں موقع دیتا ہوں کہ تم کل آ جاؤ۔ اگر تم کل نہ آئیں تو پھر یاد رکھو' اس کا انجام برا ہو گا۔ آ جاؤ گی تو کچھ نہ ہو گا۔ فقط

تمہیں چاہنے والا۔۔۔۔۔۔۔م س''

رات کو ابا جان آئے' انہیں یہ خط دیا گیا۔ وہ پڑھ کر فکرمند سے ہو گئے۔ مجھے ایک بار پھر بلوایا۔ اور پوچھا کہ کوئی بات ہے۔

لیکن کوئی بات ہوتی تو میں بتاتی۔ کچھ دیر کے بعد ابا جان اٹھ کر چلے گئے۔

اور میں امی کے پاس بیٹھی رہ گئی۔ میں نے امی سے کوئی بات نہ کی۔ میں نے بلو کو بھی نہ بلایا۔ جب اتنی خدمت کے باوجود امی کو

میرا درد نہیں' امی کو میرا خیال تک نہیں' اتنی منتوں کے باوجود امی نے ابا تک بات پہنچا دی' تو میں امی کو کیا کہتی۔ کچھ دیر کے بعد میں اٹھ کر اپنے کمرہ کی طرف آئی تو دیکھا' ابا جان میرے کمرے کی تلاشی لے رہے تھے۔ اگرچہ کمرہ میں کوئی ایسی چیز نہ تھی لیکن ان کا یوں تلاشی لینا مجھے بہت ناگوار گزرا۔

بے شک وہ میرے باپ تھے۔ لیکن کیا باپ کو اپنی بیٹی پر یقین نہ تھا اور اگر یقین نہیں تھا' تو پھر تلاشی لینے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔

میں نے اپنی کاپیوں میں کچھ شعر لکھے ہوئے تھے۔ انگریزی شاعروں کی نظمیں تھیں اور سب سے زیادہ خدشہ جس بات کا مجھے ہوا' وہ یہ تھا کہ میری ڈائری کہیں ان کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اگرچہ اس میں بھی کچھ نہ تھا مگر پھر بھی مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر ابا جان خاموشی سے باہر چلے گئے۔ اور میں اجنبی بن کر چپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئی۔ میں اس گھر کی کچھ نہیں لگتی نہ میرا اپنا کوئی یہاں ہے۔

یہ کسی اور کا گھر ہے' اور میں غیروں میں رہ رہی ہوں۔ میرا اپنا گھر کہاں ہے۔

اے میرے اپنے گھر' میں کب تیرے دروازے میں داخل ہوں گی؟

ساری رات یونہی اداس رہی۔

دوسرے دن صبح کو ابا جان آئے اور کہنے لگے۔ تم سامان وغیرہ باندھ لو' تبدیلی اسی ہفتے کے اندر اندر ہو رہی ہے۔ اور دیکھو باورچی خانے کے کام سے فارغ ہو کر ذرا اپنی امی کو سامان باندھنے میں مدد دینا۔

بہت اچھا' ابا جان!

اور ابا جان دفتر چلے گئے۔

ابا جان کچھ نئی روشنی اور کچھ پرانی روشنی کے ہیں۔ وہ جہاں نئی باتیں پسند کرتے ہیں وہاں پرانی باتوں پر بھی جان دیتے ہیں۔

امی ان کی دوسری بیوی ہے' آرام طلب' فیشن پرست اور سخت عورت۔۔۔۔۔۔۔ جس نے ابا جان کو مکمل طور پر اپنے قابو میں کر لیا ہے۔

امی کے والدین غریب ہیں اور امی سے جہاں تک ہو سکتا ہے' ان کی مدد کرتی رہتی ہیں۔ امی کا ایک بھائی ہے اور تین بہنیں جو امی کے خرچ پر ہی سکول میں پڑھتی ہیں۔ بھائی کلرک ہے اور بھائی کے دو گندے سے بچے ہیں۔ باپ نہیں ہے۔ اب اسے ایک بہن کی شادی کرنی ہے۔ ابا جان کو سارا معلوم ہے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں امی سے پوچھوں۔

امی! میری قمیضیں اگر ایک سے دو ہو جائیں تو آپ کی نظروں میں کھٹکتی ہیں حالانکہ یہ میرے ابا کی ممائی ہے اور میرا جتنا جی چاہے میں خرچ کروں۔ مگر یہ جو آپ ہر مہینے تین سو روپیہ وہاں بھیجتی ہیں وہ کس حساب سے بھیجتی ہیں؟

مگر میں کسی کو کیا کہہ سکتی ہوں؟

شام کو ابا جان دفتر سے آئے تو پتہ چلا کہ دو ہی روز میں تبادلہ ہو جائے گا۔ ہم نے تمام سامان باندھ لیا ہے اور کل روانہ ہو جائیں گے۔

اس گھر میں آج ہماری آخری رات ہے۔ اس گھر نے مجھے خوشی کے چند لمحے بخشے ہیں۔ اور جاتی دفعہ تو کس قدر پریشانی دی ہے۔

ابا جان کہتے تھے کہ شام کی گاڑی سے چلے جائیں گے۔ نہ جانے ہمارا نیا گھر کیسا ہوگا؟ کیا ہم پھر دوبارہ کبھی اس شہر میں آسکیں گے یا نہیں؟

خدا جانے!

نہ جانے آنے والے دنوں میں ہمارے لیے کیا کیا کچھ ہے۔ آنے والے دنوں کو تو چھوڑو۔ آنے والے لمحوں تک کا پتہ نہیں۔ کیا خبر آنے والا لمحہ ہمارے لیے خوشی لائے یا غم۔ زندگی کا پیغام دے یا موت کی خبر سنائے۔

کچھ پتہ نہیں ہوتا۔

ہم نئے شہر میں آگئے ہیں۔

یہاں ابھی جان کو رہنے کے لیے جگہ نہیں ملی۔ ایک ہفتہ تک مل جائے گی۔ یہاں ابا جان کو سرکاری کوٹھی ملے گی۔ امی کا خیال ہے کہ وہ خوش قسمت دلہن آئی ہیں کیونکہ جب سے امی جان آئی ہیں' ابا جان کی ترقی ہو رہی ہے۔ ورنہ امی کی شادی کے وقت تو ان کی دو سو روپے تنخواہ تھی اور اب سات سو روپیہ ہو گئی ہے۔ اسی لیے امی اپنی خوش قسمتی کی قیمت کے تین سو روپے ہر مہینے گھر بھجواتی رہتی ہیں۔

ابھی ہم امی کے ایک رشتہ کی بہن کے ہاں ٹھہرے ہیں۔ ایک ہفتہ تک اپنی کوٹھی میں چلے جائیں گے۔ جب سے مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ وہاں باغ بھی ہیں اور درخت بھی ہیں اور چاروں طرف پہاڑ ہیں اور بڑا خوبصورت علاقہ ہے' میرا دل خوش ہے۔

مگر یہ خوشی دوسرے ہی لمحے ویران ہو جاتی ہے کہ یہاں کوئی کالج نہیں۔ جہاں میں اپنی بی اے کی پڑھائی جاری رکھ سکوں گی

اور میں تو بہت سا پڑھنا چاہتی ہوں۔ امی کی یہ بہن' جو میری خالہ لگتی ہیں' اور جنہیں ہم بھی خالہ زینت کہتے تھے بہت اچھی عورت تھیں۔ امی جس قدر تنگ نظر اور تعصب پرست تھیں' یہ اتنی ہی اچھی تھیں اور ایک دو روز میں ہی یہ مجھے بہت پیار کرنے لگ گئی تھیں۔ یہ جب مجھے بیٹی کہہ کر پیار سے بلاتیں تو ان کا لہجہ اس قدر شیریں ہوتا اور اس میں اتنی محبت ہوتی کہ میں ہر دکھ بھول جاتی۔

ان کی ایک بیٹی فرخندہ تھی جو ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی اور ایک بیٹا جاوید تھا جو ڈاکٹری پڑھتا تھا اور لاہور میڈیکل ہوسٹل میں رہتا تھا۔

فرخندہ مجھ سے بہت جلد مانوس ہوگئی اور میں اسے پڑھانے لگی۔

وہ مجھ سے بڑے شوق سے پڑھتی تھی۔ ہماری بلو بھی دو سال کی ہوگئی تھی۔ اور وہ بھی پاس آ بیٹھتی۔ پچھلا ہفتہ جس قدر پریشانی کے عالم میں روتے ہوئے میں نے گزارا تھا' یہ ہفتہ اتنا ہی مہربان اور پرسکون تھا۔ نہ جانے آنے والے تیسرے ہفتے میں میرے لیے کیا ہو؟ اور پھر اس سے اگلے ہفتوں میں۔۔۔۔۔۔۔۔ خدا بہتر جانتا ہے۔

خالہ زینت نے میرا کتابوں کا شوق دیکھ کر جاوید کے کمرہ کی چابی دے دی کہ اس کے پاس بہت سی کتابیں ہیں۔ تم کو پڑھنے کے لیے جو لینی ہوں' لے لو۔ میں نے خوشی کو بڑی مشکل سے دباتے ہوئے جا کر دروازہ کھولا۔ ایک بڑا خوبصورت سجا ہوا کمرہ تھا۔ کمرہ میں دو تین بڑی خوبصورت سینریاں لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف پلنگ بچھا تھا۔ پاس ٹیبل پر اس کا اپنا ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ سامنے صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ ایک طرف کونے میں کھڑکی کے پاس شیشے کی الماری تھی۔ اور ساتھ ہی کتابوں کی الماری تھی۔ میں نے ایک ہی نظر میں سارے کمرے کا جائزہ لے لیا اور پھر چھوٹی ٹیبل کو دیکھا۔ جسے میں نے ابھی تک نہ دیکھا تھا۔ وہاں ایک بڑے سائز کی جاوید کی فوٹو تھی۔ جس میں وہ سوٹ پہنے ہوئے ہے' اور بڑے ہی پیارے اور تیکھے انداز میں مسکرا رہا ہے۔ یہ تصویر مجھے بہت اچھی لگی۔ اور میں کتنی ہی دیر تک کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ لیکن اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟ اور میں نے تصویر کو ایک طرف رکھ دیا۔ اور کتابوں کی الماری کھول کر کتابوں کو دیکھنے لگی۔ چند کتابیں نکالیں اور باہر باغ میں خاموشی سے بیٹھ کر پڑھنے لگی۔

یہاں میں بڑی مسرور ہوں۔ کوئی کام وغیرہ نہیں کرنا ہوتا۔ کیونکہ خالہ زینت کے ہاں نوکر کام کرنے والے ہیں۔ کاش! میری ساری زندگی یہیں گزر جائے۔

جاوید کی کئی تصویریں الماری میں سے نکلی ہیں۔ جی چاہتا ہے ایک تصویر چرا کر ساتھ لے جاؤں۔ مگر میں ایسا کبھی نہیں کرسکتی۔

اف خدا! اگر کسی نے تصویر دیکھ لی تو؟ مجھے تو دنیا جہاں کی ذلیل اور آوارہ لڑکی سمجھ لیا جائے گا۔ کتنی عجیب بات ہے!

اگر کوئی چیز اچھی لگے تو سبھی کو اچھی لگتی ہے اور اچھی اور خوبصورت چیز کی تعریف کرنے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے۔ مگر ہمارے ملک میں تو لڑکیوں کو اتنا بھی حق حاصل نہیں ہے یہاں مردوں کو تو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی لڑکی کو دیکھیں تو اپنی پسند کا اظہار کر سکتے ہیں مگر ہم لڑکیاں نہیں کر سکتیں۔ مرد لڑکی کی خوبصورتی کی تعریف کر سکتا ہے مگر لڑکی مرد کی خوبصورتی کی تعریف نہیں کر سکتی۔ اور جس نے ان قیود کو توڑ کر اپنی آزادانہ رائے دینے کی کوشش کی اسے بدمعاش سمجھ لیا جاتا ہے۔ کتنا ذلیل ملک ہے ہمارا' جہاں مردوں کی اس قدر گندی ذہنیت ہے۔

فرخندہ اپنے بھیا کی بہت تعریفیں کرتی ہے کہ میرا بھیا بہت اچھا ہے' اس کے لیے بہت سی چیزیں لاتا ہے' اسے بہت پیار کرتا ہے' بہت ہنساتا ہے۔

کیا میں جاوید کو دیکھ سکوں گی؟ لیکن اگر میں نے اسے دیکھ بھی لیا تو کیا ہے میں کوئی اس کے سامنے آ سکوں گی' نہ اس سے بات کروں سکوں گی۔

خالہ زینت تو کبھی کچھ نہ کہتیں' وہ تو کس قدر اچھی ہیں۔ مگر امی تو توبہ توبہ کبھی نہ مانیں۔ وہ تو ابا جان سے کہہ کر مجھے بہت ہی برا بھلا کہلوائیں۔

کاش! امی کی جگہ خالہ زینت میری امی ہوتیں تو کس قدر اچھا ہوتا۔

رات ہم سب بیٹھے ریڈیو پروگرام سن رہے تھے۔ میں نے ابا جان سے کئی بار کہا ہے کہ آپ ہمیں بھی ریڈیو لا دیں مگر وہ نہیں لاتے۔ امی کہیں تو ابھی لا دیں۔ ہم ریڈیو سن رہے تھے اور ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ میں خالہ زینت کے پاس بلو کو گود میں لیے بیٹھی تھی اور فرخندہ بھی میرے پاس تھی۔ میری طرف دیکھتے ہوئے خالہ زینت امی سے کہنے لگیں۔

جمیلہ کی ابھی منگنی وغیرہ کہیں کی ہے یا نہیں؟

امی کہنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں' کہیں بھی نہیں کی۔ یہ تو شادی ہی نہیں کرتی' کہتی ہے نہیں کرنی۔

میں نے آنکھیں نیچی کر لیں۔

خالہ زینت کہنے لگیں۔ کیوں جمیلہ بیٹی! کیا بات ہے۔ شادی تو ایک ضروری چیز ہے یہ تو ہر لڑکی کی ہوتی ہے۔

امی کہنے لگیں۔ چچی کے لڑکے سے تو بچپن کی منگنی اس نے توڑ دی ہے' وہ کوئی کم شور تو نہیں پڑا تھا نا۔ بس یہی کہتی تھی کہ یہاں شادی نہیں کرنی' کبھی نہیں کرنی۔ اگر یہاں شادی کی تو زہر کھا لوں گی۔ باپ بیٹی کی ضد کے آگے کیا کر سکتا تھا۔ ہم خاموش ہو گئے۔

خالہ زینت کہنے لگیں۔ بیٹی وجہ کیا تھی آخر؟

میں نے کہا۔ ''خالہ جی! مجھے پڑھنے کا شوق تھا اور اس لڑکے کو لڑکیوں کو تاکنے جھانکنے کا شوق تھا۔ ہمارا کہاں گزارہ ہو سکتا تھا؟''

خالہ ہنسنے لگیں اور کہا۔ ''تو کیا اب پڑھتی ہو؟''

''ہاں' میں نے ایف اے کا امتحان دیا ہے۔''

پھر تو بڑی اچھی بات ہے۔ پڑھنے کا شوق تو خدا ہر بیٹی کو دے۔

پھر خالہ میری امی کو کہنے لگیں۔ کہ نعیمہ بہن! سچ پوچھو تو مجھے تو جمیلہ بہت پسند آئی ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ تم ابھی اسے پڑھنے دو اور جتنا اس کا جی چاہے یہ پڑھ لے۔ اس عرصہ میں میرا بیٹا بھی ڈاکٹر بن جائے گا۔ پھر تم اسے میری بیٹی بنا دینا۔

امی تو یہ سن کر جیسے بہت پریشان ہو گئیں۔ ان کا تو یہاں اپنی بہن کی شادی کرنے کا خیال تھا۔ کہنے لگیں۔ بہن! یہ تو اس کے باپ کی مرضی پر منحصر ہے نا! وہ جہاں چاہیں گے وہیں اس کی شادی ہو گی۔ میری بات وہ بھلا کب مانیں گے؟

ان کا تو اپنے بھائی کے یہاں شادی کا خیال ہے۔

خالہ زینت کہنے لگیں۔ میں ان کو خود کہوں گی اور آج ہی پوچھوں گی۔ ایسی چاند سی بیٹی بھلا کیا روز روز ملتی ہے۔

خالہ زینت کی یہ باتیں سن کر میں نے بظاہر تو سر نیچے کر لیا تھا اور خاموش رہی تھی۔ خاموش تو رہنا ہی تھا۔ لیکن سچ پوچھو تو مجھے اندر سے اس قدر خوشی ہو رہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ ہائے! کیا کبھی یوں بھی ہو سکتا ہے۔

جاوید میرا ہو سکتا ہے؟ کیا میں اتنی خوش قسمت ہو سکتی ہوں۔ کیا خبر جاوید میرا ہو ہی جائے۔ خدا دکھ کے بعد سکھ اور سکھ کے بعد دکھ دیتا ہے۔ میں نے جو اپنی عمر اداسی اور ویرانی میں گزاری ہے تو کیا پتہ خدا کو اب میری خوشی منظور ہو۔ لیکن مجھے امی پر غصہ آ رہا تھا جنہوں نے یوں بری طرح خالہ کو جواب دیا۔ امی بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتی ہیں کہ کوئی میری تعریف کرے۔ انہوں نے کتنی جلدی کہہ دیا کہ میری شادی ابا جان کی مرضی سے ہو گی۔ حالانکہ ابا جان ہر بات ان سے پوچھ کر کرتے ہیں۔ بس ہمارے گھر میں جو یہ چاہیں وہی ہو سکتا ہے اور اگر اور کوئی کچھ چاہے' تو وہ نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ ابا جان ہی کیوں نہ ہوں۔

لیکن یہاں دیکھو' ان عورتوں کو دیکھو۔ دوسرے کے سامنے اپنے آپ کو کس قدر مظلوم اور بے کس ظاہر کرتی ہیں۔ جیسے بہت دکھی

ہیں۔اپنی اصلی حالت کس طرح چھپا کر رکھتی ہیں کتنی جھوٹی ہوتی ہیں۔بھلا یہ اگر کہہ دیں کہ ہاں سارا کچھ ہماری مرضی سے ہوتا ہے تو دوسری عورتیں انہیں کھا تو نہیں لیں گی۔مگر ان عورتوں کی اپنی الگ سیاست ہوتی ہے جھوٹی' بناوٹی اور کھوکھلی سیاست ہوتی ہے۔بس یہ اپنا دکھ ہی ظاہر کرتی رہتی ہیں۔گھر میں ہزاروں سکھ ہوں' مگر یہ اپنے آپ کو دکھی ہی ظاہر کریں گی۔لیکن اگر گھر میں ذرا سا بھی دکھ ہو جائے تو چیخ چیخ کر کہیں گی لیکن شاید یہ بھی ٹھیک بات نہیں ہے۔یہاں انسان جو کچھ ہے وہ کم ہی ظاہر کرتا ہے۔بعض عورتیں دکھی بھی ہوتی ہیں لیکن ظاہر یہ کرتی ہیں کہ ہم نہایت خوش ہیں اپنے غم کو چھپا چھپا کر مسکراتی ہیں۔اور زمانے کو یقین دلاتی ہیں کہ اے لوگو! ہم بہت خوش ہیں۔ہم بہت مسرور زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جن عورتوں کے خاوندان سے بات نہیں کرتے' وہ بچاری لوگوں کو ہنس ہنس کر یقین دلاتی ہیں کہ ہم بہت مسرور زندگی بسر کر رہی ہیں اور جن عورتوں کے خاوندان کے قدموں پر زندگی نچھاور کرنے کو تیار ہیں وہ لوگوں سے کہتی ہیں کہ بہن' کیا کریں زندگی کے دن پورے کر رہی ہیں۔

میں سوچتی ہوں اگر میری اس سوتیلی والدہ کی جگہ میری سگی ماں ہوتی' تو وہ جاوید سے شادی کی تجویز سن کر کس قدر خوش ہوتیں بلکہ وہ تو خود کوشش کر کے شادی کو کہتیں۔کون ماں نہیں چاہتی کہ اس کی بیٹی خوش رہے۔زندگی ایک سہانے خواب کی طرح گزار دے۔ اور یہ سب کچھ سوچ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں چپکے سے اٹھ کر باہر برآمدے میں نکل آئی۔فرخندہ بھی میرے پیچھے چلی آئی اور میرا اداس چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگی۔

باجی! آپ اداس کیوں ہو گئیں؟ آپ تو اتنی اچھی باجی ہیں۔ہم آپ کو اپنی بھابی بنائیں گے۔امی رات ابا جان سے کہہ رہی تھیں۔میں نے بھی کہا تھا' امی ہم جمیلہ باجی کو بھابی بنائیں گے۔لیکن باجی! آپ اداس کیوں ہو گئی ہیں؟ کیا اس کو بھیا اچھے نہیں لگے؟

پگلی لڑکی! میں نے پیار سے فرخندہ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔میں نے تو تمہارے بھیا کو ابھی دیکھا تک نہیں' تو پسند اور ناپسند کا کیسا سوال ہے۔اور پھر جب تم اس قدر پیاری لڑکی ہو تو کیا تمہارے بھیا پیارے نہ ہوں گے۔مگر فرخندہ تم ابھی چھوٹی سی بچی ہو۔تم نہیں جان سکو گی میں کیوں اداس ہو گئی ہوں۔خدا کرے تم پر ہمیشہ سکھ کا آسمان چھایا رہے۔چلو چھوڑو اس قصے کو۔۔۔۔۔۔اور بتاؤ آج اسکول میں کیسے دن گزارا۔

لیکن فرخندہ نے مچل کر کہا۔نہیں باجی' میری پیاری باجی! بتائیں آپ اداس کیوں ہیں۔۔۔۔۔۔آپ کو کون سا دکھ ہے؟

اور میں نے جھک کر پیار سے فرخندہ کا منہ چوم لیا۔ کتنی پیاری اور مخلص بچی ہے۔ اور پھر ہاتھ سے اس کے ماتھے پر سے بال ہٹاتے ہوئے میں نے کہا۔

فرخندہ! جب تم مجھے باجی اور پھر پیاری باجی کہتی ہو تو تم مجھے اتنی خوشی بخشتی ہو کہ میں بیان نہیں کر سکتی' تم جانتی ہو میری کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے۔ ہاں بلو ضرور ہے مگر ایک تو وہ ابھی چھوٹی ہے دوسرے وہ بڑی ہو گئی تو اپنی ماں کی بیٹی رہے گی میری بہن شاید نہ بن سکے۔ اور تم جب مجھ باجی کہہ کر پکارتی ہو تو مجھے بڑا سکھ ملتا ہے۔ لیکن فرخندہ! ایک دو روز تک تو ہم اپنی کوٹھی میں چلے جائیں گے اور پھر تم جدا ہو جاؤ گی' پھر مجھے کون باجی کہے گا۔

فرخندہ! بتاؤ' کیا تم مجھے خط لکھا کرو گی؟

خط کا نام لیتے ہی ایک دم مجھے ان ذلیل لوگوں کے خطوں کا خیال آ گیا اور پھر سوتیلی والدہ کا۔ اور میں لرز اٹھی اور کہا۔ لیکن فرخندہ تم خط وغیرہ نہ لکھنا شاید امی کو یہ بات پسند نہ آئے۔ بلکہ اگر تمہارا دل چاہا کرے تو تم خود ملنے کے لیے آ جایا کرنا۔

لیکن باجی! کیا تم ملنے کے لیے نہ آیا کرو گی؟ امی اجازت دیں گی تو آؤں گی نا؟ میں نے کہا۔ میں خالہ جان سے خود کہہ دوں گی وہ ضرور اجازت دیں گے۔

اور باجی! فرخندہ نے مجھ سے لپٹ کر کہا۔ آپ مجھے اپنی چھوٹی بہن بنا لیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنا لیں۔ اچھی باجی! آپ بہت اچھی ہیں۔

اور میں نے فرخندہ کو گلے سے لگایا کہ تم اب ہمیشہ کے لیے میری بہن ہو۔

فرخندہ سے یوں باتیں کر کے میرا دل بڑا مسرور ہو گیا اور پھر ہم دونوں باغ میں ٹہلنے کو چل دیں۔ اور وہاں جا کر ہم کچھ دیر ٹہلنے کے بعد بنچ پر بیٹھ گئے اور پھر فرخندہ نے مجھے اپنے بھائی جاوید کی باتیں سنانی شروع کر دیں کہ وہ کس قدر اچھے ہیں اور وہ آپ جیسی لڑکی سے شادی کر کے بہت خوش ہوں گے۔

میں نے کہا۔ فرخندہ! خدا کے لیے یوں نہ کہو۔ میری امی نے یہ باتیں سن لیں تو وہ مجھے ابا جان سے کہہ کر جان سے ہی مروا ڈالیں گی۔ تم نہیں جانتیں کہ امی میرے معاملے میں کس قدر سخت ہیں۔ وہ تو ابا جان سے شکایت لگا دیں گی کہ تمہاری بیٹی جہاں بھی دو دن کے لیے جاتی ہے' کوئی نہ کوئی بات پیدا کر دیتی ہے۔ اور پھر میں نے فرخندہ کو اپنی چچی کا واقعہ سنایا۔ فرخندہ بڑی سمجھدار لڑکی تھی۔ اس نے خاموشی سے ساری باتیں سنیں۔

اس کے بعد ہم خاموشی سے چل کر اپنے کمرہ میں آ گئے۔ شام ہو رہی تھی۔ اور اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ امی خالہ کے ساتھ باورچی خانے میں تھیں۔ بلو پلنگ پر سو رہی تھی۔ اور ابا جان ابھی تک نہ آئے تھے۔ میں اپنے کمرہ میں آن کر چپ چاپ کھڑکی کے آگے بیٹھ گئی۔ کھڑکی میں سے سرد ہوا کے جھونکے اندر داخل ہو رہے تھے جو بڑے اچھے لگ رہے تھے۔ اپریل کا خوشگوار مہینہ تھا مگر پھر بھی شام کو سردی بہت زیادہ ہو جاتی۔ میں نے کوٹ نکال کر پہنا۔ سر پر مفلر لپیٹا اور شال اوڑھ کر پلنگ پر نیم دراز ہو گئی اور ریڈیو آن کر دیا۔ ریڈیو جالندھر سے سہگل کا ریکارڈ لگا ہوا تھا جو مرزا غالب کی غزل گا رہا تھا۔

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

اور میں اس غزل میں کھو گئی۔

آج ہم اپنی کوٹھی میں آ گئے ہیں۔

یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دور تک کوٹھیوں کی قطار چلی گئی ہے۔

یہ بہت خوبصورت جگہ ہے۔ کھڑکی سے باہر کا منظر اتنا خوبصورت نظر آتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ کوٹھی بے حد شاندار ہے اور چاروں طرف پھولوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ مگر امی یہاں آن کر خوش نہیں ہیں۔ وہ کہتی ہیں' یہ کیا سنسان اور اجاڑ جگہ پر آ گئے ہیں' اپنوں سے دور ہو گئے ہیں۔ ہاں بات ہے بھی ٹھیک۔

امی اپنے ماں باپ اور بہنوں کے شہر سے نکل کر دوسرے شہر میں آ گئی ہیں۔ پھر وہ کیوں نہ اداس ہوں۔ ان کی دلچسپی تو شادی کے بعد بھی والدین کے گھر کے اندر ہی موجود ہے۔ شوہر کے گھر والوں سے یا شوہر کے گھر میں کم ہی دلچسپی لیتی ہیں۔ یہاں مجھے ایک کمرہ مل گیا ہے جس کی دونوں کھڑکیاں باغ میں کھلتی ہیں۔

ہائے! میں بتا نہیں سکتی کہ میں کتنی خوش ہوں یہ کوٹھی پا کر۔ صبح کو جب اپنے کمرہ کی یہ کھڑکیاں کھولتی ہوں' تو پھولوں سے مہکی ہوئی ہوا اندر داخل ہوتی ہے۔ اور دور تک' حد نظر تک خوبصورت پہاڑیاں اور سرسبز و شاداب وادیوں کا سلسلہ' اوپر نیلا آسمان' پھیلا ہوا آسمان ---------- یوں لگتا ہے جیسے میں اپنے خوابوں کے جزیروں میں آ گئی ہوں۔

کہاں وہ شہر کی گندی گلیاں' کہاں یہ پہاڑ کی خوبصورت اور کھلی فضا ---------- کہاں وہ گندے لوگ' مریل لوگ اور کہاں یہ پہاڑی بے فکرے لوگ' صحت مند ---------- یہاں امی نے ایک نوکر بھی رکھ لیا ہے اور ایک عورت بلو کو کھلانے والی بھی رکھ لی

ہے۔ اگرچہ مجھے باورچی خانے کا کام کرنا پڑتا ہے مگر میں اب خوشی خوشی کام کرتی ہوں۔ صبح منہ اندھیرے میری نیند ٹوٹ جاتی ہے بلکہ سچ پوچھو تو جب سے یہاں آئی ہوں' خوشی کے مارے سوتی تک نہیں۔ پھولوں کی سرگوشیاں سنتی ہوں اور منہ اندھیرے کمرے کا دروازہ کھول کر باغ میں نکل جاتی ہوں اور شبنم سے منہ ہاتھ دھوتی ہوں اور ٹہلتی رہتی ہوں اور پھر جلدی سے واپس آ کر باورچی خانے میں نوکر کی مدد سے چائے وغیرہ تیار کرتی ہوں۔ ابا جان کے سامنے بہت کم جاتی ہوں۔ نہ جانے کیوں اب مجھے ان سے بہت زیادہ ڈر لگنے لگا ہے۔ وہ بھی مجھ سے کوئی بات نہیں کرتے۔ ان کے سامنے میں آنکھیں نیچی کر کے بیٹھتی ہوں جیسے میں کوئی چور ہوں۔ نہ جانے میں کیوں ایسا محسوس کرتی ہوں۔

لیکن یہ ابا جان خود محسوس کرواتے ہیں۔ وہ میری طرف جب خفگی سے دیکھتے ہیں اور بغیر بلائے مجھے دیکھ کر گزر جاتے ہیں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں کوئی گنہگار روح ہوں اور ایسے میں میرا دل بہت ویران ہو جاتا ہے۔ اور میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

امی میرے خلاف ابا جان کو نفرت کے انجکشن لگاتی رہتی ہیں۔ جس کا اثر ان کے ریشے ریشے میں پھیل چکا ہے۔ جب میں اکیلی بیٹھی کام کر رہی ہوتی ہوں اور پاس سے ابا جان گزر جائیں' تو کئی بار جی چاہتا ہے ان کو روکوں اور ان سے پوچھوں آپ مجھ سے کیوں نہیں بولتے ابا جان؟۔۔۔۔۔۔ ابا جان میں نے کون سا قصور کیا ہے؟ امی تو مر کر جدا ہوئی تھیں مگر ابا جان! آپ جیتے جی جدا ہو گئے ہیں۔ اور پھر ابا جان کے سینے کے ساتھ لگ کر گھنٹوں روتی رہوں۔۔۔۔۔۔ مگر میں بھلا ایسا کیونکر کر سکتی ہوں؟

ابا جان پاس سے گزر جاتے ہیں اور میں یہ سب کچھ سوچ کر خاموش' آنکھوں میں آنسو لیے مری جاتی ہوں۔ میں بھلا کیا کر سکتی ہوں!

ہمیں اس کوٹھی میں آئے پندرہ بیس روز ہو گئے ہیں۔ مگر فرخندہ ایک بار بھی ملنے کے لیے نہیں آئی۔ اور مجھے ان کے ہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ فرخندہ نے تو پکا وعدہ کیا تھا کہ پہلے ہفتے ضرور آؤں گی۔ مگر وہ نہیں آئی' لیکن میں بھی کتنی پگلی ہوں' بھلا اسے کیا ضرورت ہے آنے کی۔

وقتی طور پر ایک دوسرے سے مل لیا تھا۔ اب بعد میں آ آ کر ملنے کی بھلا اسے کیا ضرورت ہے۔ امی نے نہ جانے خالہ زینت کو کیا کیا کچھ سکھا دیا ہو گا کہ میں بہت بری لڑکی ہوں اور فرخندہ کو مجھ سے دوستی پیدا کرنی نہیں چاہیے۔ اچھا اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر میں کبھی اس سے نہ بولوں گی۔ میں خاموش ہو جاؤں گی۔ میں اس دنیا میں اکیلی ہوں اور اکیلی ہی چلی جاؤں گی۔

رات ابا جان نے بتایا کہ تمہارا نتیجہ نکل رہا ہے۔ یہ سن کر میرا دل دھڑکنے لگا۔ اگر میں فیل ہوگئی تو۔۔۔۔۔۔ ابا جان کس قدر خفا ہوں گے۔ امی طنزیہ ہنسی ہنسیں گی اور میری زندگی کتنی ویران ہو جائے گی۔ خالہ زینت کو پتہ چلے گا تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گی۔

یا خدا! مجھے پاس کر دینا۔ تمہارے سوا اور کوئی میری بات سننے والا نہیں ہے۔

ساری رات نہیں سو سکی۔ دل دھڑکتا رہا اور میں خدا سے دعائیں مانگتی رہی۔ یا خدا مجھے پاس کر دینا۔ رات ہولے ہولے بیتتی رہی۔ اور آخر کار صبح ہوئی۔ اخبار والے کی آواز آئی۔

اور میرا دل اتنی شدت سے دھڑکا جیسے ابھی پھٹ جائے گا۔

ابا جان نے دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد خاموشی۔ میں نے جلدی سے بستر چھوڑا اور دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی تاکہ ادھر کی آوازوں سے اندازہ لگا سکوں کہ میں پاس ہوئی یا فیل! کیونکہ صاف ظاہر تھا' اگر میں فیل ہوگئی تو ابا جان کی جھڑکیوں کی آواز آئے گی اور اگر میں پاس ہوگئی تو ہنسی کی آواز آئے گی۔ ابا جان نے رات ہی سے میرا رول نمبر پوچھ لیا تھا۔ اچانک ابا جان کی آواز آئی۔

"لو جمیلہ بیٹی پاس ہوگئی ہے۔۔۔۔۔۔ اور حیرانی کی بات دیکھو فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی ہے۔"

ہائے۔۔۔۔۔۔ ان کی یہ بات سن کر جس طرح میری نگاہوں کے سامنے سے بہار کے قافلے گزرے اور قوس قزح کے رنگ بکھرے' میں نہ بتا سکوں گی۔ مجھے ڈر لگا کہیں مجھے شادی مرگ نہ ہو جائے۔ میں تیزی سے باہر نکلی اور ابا جان کے کمرہ کی طرف گئی۔ انہوں نے دور ہی سے مجھے دیکھ کر مبارکباد دی اور جب میں اندر گئی تو انہوں نے مجھے گلے سے لگا لیا اور میرا سر چوم لیا۔ امی نے بھی مبارکباد دی۔ میرے تو نصیب کھل گئے۔

یقین نہ آتا تھا کہ آج کا دن اتنا خوش قسمت بھی ہو سکتا ہے۔ آج کون سا سورج طلوع ہوا ہے جس نے مجھے یوں خوشی بخشی ہے۔ میں نے کہا۔ ابا جان اور امی جان! آپ لوگوں کی دعاؤں کی بدولت ہی مجھے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے ورنہ میں اس قابل کہاں تھی؟

اس کے بعد میں نے ابا جان سے اجازت لے لی تھی اور ننھی بلو کو ساتھ لے کر تیار ہو کر خالہ زینت کے ہاں گئی۔ امی نے جانے کی اجازت دے دی۔ آج تو امی بھی مجھ پر مہربان ہوگئیں۔

وہاں پہنچی تو فرخندہ ہمارے یہاں آنے کو تیار ہو رہی تھی۔ آدھ گھنٹے کا تو راستہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے کہا' چلو ہٹو اب منہ دیکھ کر محبت جتانے لگی ہو۔ ایسی ہی باجی سے محبت ہوتی تو اتنے روز ہو گئے تم ملنے نہ آتیں۔

کہنے لگی' ہائے باجی یہ نہ کہو میں تو ہر روز آپ کو یاد کرتی تھی مگر بھیا آنے والے تھے اور میں چاہتی تھی کہ وہ آ جائیں تو ان کے ساتھ آپ کے گھر آؤں۔

اب وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہے ہیں۔ ہم دونوں اکٹھے ہی آپ کے گھر جا رہے تھے' آپ کو مبارکباد دینے کے لیے۔ میں نے اسکول سے چھٹی لے لی ہے۔ اے لو دیکھو' بھیا تو یہاں آ گئے۔ بھیا! یہ ہیں ہماری باجی جمیلہ۔۔۔۔۔۔۔اور یہ ہیں ہمارے بھیا جاوید۔

میں یوں بے باکی سے کسی غیر مرد کے سامنے کیسے ہو سکتی تھی۔ ہم کو تو سخت پردے میں رکھا جاتا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے السلام علیکم کہا اور پردہ کر لیا۔ فرخندہ نے جلدی سے میرا دوپٹہ کھینچا۔ واہ باجی! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ بھلا اپنوں سے بھی کہیں پردہ کیا جاتا ہے۔ ہم تو یہاں آپ کی تعریفیں کر کر کے مر گئے اور آپ ہیں کہ لگی منہ چھپانے۔ اتنے میں خالہ زینت کو پتہ چلا' وہ بھی آ گئیں۔

جاوید کہنے لگا۔ لو اگر یہ پردہ کرتی ہیں تو پھر ہم بھی پردہ کریں گے۔ اور پھر اس نے فرخندہ کا دوپٹہ لے کر گھونگھٹ نکال لیا۔

خالہ زینت کہنے لگیں۔ یہ ہے ہی ایسا مسخرا۔ بات کیا ہے فرخندہ۔۔۔۔۔۔۔ بیٹی جمیلہ! بھلا پردے کی کیا ضرورت ہے تمہارے پاس ہونے کی خبر سن کر سچ مجھے تو بے اندازہ مسرت حاصل ہوئی ہے اور پھر تم فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی ہو۔

جاوید کہنے لگا۔ ہم نے تو بڑی مشکل سے تھرڈ ڈویژن لی تھی۔

خالہ کہنے لگیں' کیوں جھوٹ بولتے ہو تم تو اپنی کلاس میں فرسٹ آئے تھے۔ اور خالہ کا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔ اور پھر میں جاوید کے سامنے ہو گئی۔

خالہ کسی کام سے ادھر گئیں تو فرخندہ بھی ''ابھی آئی'' کہہ کر بھاگ گئی۔

اب میں اور جاوید اکیلے رہ گئے۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ یا خدا کہیں ہماری نوکرانی بلو کو لے کر نہ آ جائے۔ وہ اسے باہر بندر کا تماشا دکھا رہی تھی۔ اور ابھی تک اندر ہی نہ آئی تھی۔

جاوید میرے سامنے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا اور مجھے گہری نظروں سے تک رہا تھا۔

ہم دونوں خاموش تھے۔

میری نظریں نیچی تھیں۔اور شرم سے دوہری ہوئی دوپٹے کے پلو کو انگلیوں میں مروڑ رہی تھی۔

آخر جاوید بولا۔

حد ہے آپ اس قدر شرما رہی ہیں۔آپ کو تکلیف ہو رہی ہوگی آپ ذرا ٹھیک طرح بیٹھیں۔آپ تو کالج پڑھنے والی لڑکی ہیں اور کالج کی لڑکیاں تو اس قدر نہیں شرماتیں۔مگر میں خاموش رہی۔کچھ دیر کے بعد میں نے انگلیوں سے پلو نکال کر چھوڑ دیا۔اور میز پر پڑی ہوئی کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔یہ انگریزی کی بڑی موٹی کتاب تھی۔

جاوید کہنے لگا۔یہ تو ڈاکٹری کی کتاب ہے آپ کی سمجھ میں کہاں آئے گی۔

اور میں نے کتاب میز پر رکھ دی۔

جاوید کہنے لگا۔لیکن میرا یہ مطلب تو نہ تھا کہ آپ اسے رکھ دیں۔

اس کے بعد پھر خاموشی چھائی رہی۔جاوید اٹھ کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا اور باہر دیکھنے لگا۔اور میں نے چور نظروں سے اسے دیکھنا شروع کر دیا۔

درمیانہ قد'چوڑے شانے'مضبوط جسم اور خوبصورت چہرہ۔

وہ کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے کوئی یونانی دیوتا ہے۔وہ مجھے بہت اچھا لگا۔اس کے چہرے پر ایک اداس چمک تھی۔بہت زیادہ کھلا ہوا چہرہ تھا مگر چمک اداس تھی۔اچانک اس نے میری طرف دیکھا۔اور اپنی مخمور اور شربتی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں اور کہا۔آپ چوری چوری مجھے دیکھ رہی تھیں اور یہ چوری اچھی نہیں۔مگر میں خاموش تھی۔

میں نے ابھی تک اس سے کوئی بات نہ کی تھی۔

پھر جاوید کہنے لگا۔ادھر آئیں'آپ کو باہر کا ایک تماشا دکھاؤں۔اور میں چپکے سے اٹھی اور اس کے ساتھ کھڑکی میں لگ کر کھڑی ہو گئی۔اب ہم دونوں پاس پاس کھڑے تھے۔اور اس کا گرم گرم سانس میرے چہرے کو چھو کر گزر رہا تھا۔میں نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔

''کیا ہے؟''

''وہ دیکھو باہر''

''کیا دیکھوں باہر؟''

''وہ سامنے پہاڑ آپ دیکھ رہی ہیں؟''

''ہاں ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔ دیکھ رہی ہوں۔''

''کیا اس کے اوپر پڑے ہوئے پتھر پر آپ کو بیٹھا ہوا آدمی نہیں معلوم ہو رہا؟''

''ہاں ایسا لگتا ہے جیسے کوئی آدمی ہو۔''

''آدمی ہی تو بیٹھا ہے۔''

''اچھا' لیکن اتنی بلندی پر کیسے پہنچ گیا؟''

''کیا آپ نے اسے پہچانا نہیں؟''

''نہیں تو''

''پہلے میری طرف دیکھیں اور پھر اسے دیکھیں۔''

اور میں نے جاوید کی طرف اپنا چہرہ اٹھا دیا۔

جاوید مجھے دیکھنے لگا۔

میں اس کی طرف زیادہ دیر تک نہ دیکھ سکی۔ اور آنکھیں نیچی کر لیں۔

یہ میں ہی تو ہوں جو پہاڑ کی اس چوٹی پر بیٹھا ہوں اور چوٹی تک پہنچنے کا راستہ بھی کوئی نہیں ہے۔ اب بتائیں اگر آپ مجھ سے ملنے آئیں تو وہاں تک کیسے پہنچو گی۔

لیکن آپ وہاں تک کیسے پہنچ گئے؟

میں تو پیدا ہی وہاں ہوا تھا۔

اور یہاں کون کھڑا ہے؟

یہاں میں کھڑا ہوں۔

اور وہاں کون بیٹھا ہے؟

وہاں جاوید بیٹھا ہے۔

اور ہم دونوں ہنس دیئے۔

اتنے میں فرخندہ آ گئی اور ہم چائے پینے کے لیے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ میں نے بلو اور نوکرانی کے سامنے جاوید سے پردہ کیا۔ اس کے بعد وہاں باتیں ہوتی رہیں۔ جاوید چائے پینے کے بعد اٹھ کر چلا گیا اور ہم وہیں بیٹھے ہنستے رہے۔ شام ہو گئی۔ میں جانے کے لیے تیار ہوئی تو خالہ زینت کہنے لگیں کہ میں آج تو نہیں جانے دوں گی۔ اب ایک ہفتہ تو یہاں رہنا۔

میں یہ سن کر پریشان ہو گئی۔

مگر خالہ جان' امی جان خفا ہوں گی۔

نہیں' وہ کیوں خفا ہو گی۔ یہ بلو کو لے کر جائے گی تو میرا پیغام پہنچا دے گی۔

مگر ابا جان نہیں مانیں گے۔ آپ مجھے اب اجازت دے ہی دیں۔

نہیں بیٹی آج تو نہیں جانے دوں گی۔ ایک ہفتہ کے بعد جانا ہو گا۔

لیکن مجھے امی اور ابا سے بہت ڈر لگتا ہے۔

خالہ جان کہنے لگیں۔ کتنی بھولی بچی ہے۔ تم نہ ڈرو میں خود جا کر ان سے کہہ آؤں گی۔

لیکن خالہ جان آپ مجھے ساتھ لے کر چلیں۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو آپ کے ساتھ واپس آ جاؤں گی۔

پگلی بیٹی! تم کیوں گھبراتی ہو؟ یہیں بیٹھو' میں خود جاؤں گی۔ وہ کبھی خفا نہ ہوں گی۔

اور اگر خالہ وہ خفا ہو گئیں تو پھر آپ کی ذمہ داری ہو گی۔

ہاں' ہاں۔۔۔۔۔۔۔ تم مجھ پر رہنے دو۔

ہائے' میں تو خود گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ میرے لیے اس سے زیادہ اچھی اور کون سی بات تھی کہ وہاں رہوں جہاں خوش بختی ہے' فرخندہ رہتی ہے' جاوید کے سانسوں کی مہک ہے' پھول اور ستارے ہیں۔

گھر جا کر مجھے کیا کرنا تھا؟ کاش میں ہمیشہ یہیں رہ سکتی۔

لیکن مجھے یقین تھا کہ امی تو بظاہر مان جائیں گے مگر ابا جان کبھی نہ مانیں گے۔

خالہ کے سامنے امی ہاں کہہ دیں گی مگر ابا جان سے خود کہہ کر آنا ہو گا۔ اور وہ بلو اور نوکرانی کے ساتھ چلی گئیں۔ اب میں فرخندہ اور جاوید رہ گئے۔ فرخندہ کہنے لگی۔ چلو باجی! باغ میں چل کر تتلیاں پکڑیں۔

میں نے کہا۔ جب تک خالہ نہ آ جائیں' میں فکر مند ہوں اور یہیں بیٹھوں گی۔ اگر اجازت مل گئی تو پھر باہر باغ میں جا کر خوشی

منائیں گے۔ آج کل راتیں بھی چاندنی ہیں۔

واہ باجی! آپ بہت جلد گھبرا جاتی ہیں۔ بھلا وہ آپ سے کیا کہیں گے۔ آپ بہت زیادہ ڈرتی ہیں۔

میں شرمندہ سی ہوگئی۔ میں اس سے کیا کہتی کہ تم کیا جانو فرخندہ' مجھے اپنی امی اور ابا سے کس قدر ڈر لگتا ہے۔ میرے لیے زندگی بلبل کے سینے میں چبھا ہوا کانٹا ہے اور تمہارے لیے زندگی بہار میں مہکنے اور کھلنے والا پھول ہے۔ تمہارے لیے زندگی دلچسپ کہانی ہے' مگر میرے لیے زندگی غم کی کالی لمبی رات ہے۔

میں ان لوگوں سے بہت ڈرتی ہوں۔ کیونکہ ہمارے جیسے ماحول میں رہنے والی لڑکیوں کی تقدیریں ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ ہم ان کے رحم وکرم پر ہیں۔ یہ جو چاہیں کرسکتے ہیں۔

پھر ان میں سے میں کیوں نہ ڈروں۔ لیکن میں خاموش ہوگئی۔ ماحول کا یہ تضاد دیکھ کر میرا دل اداس ہوگیا تھا۔ اور میرا چہرہ اتر گیا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ خالہ جان امی اور ابا کو منا بھی آئیں گی تو بھی ان کا عذاب مجھ پر نازل ہوگا۔ گھر کا کام کون کرے گا۔ امی کہیں گی' جان بوجھ کر وہاں بیٹھ گئے اور خالہ کو سکھا کر بھیج دیا۔ اور ابا جان کو بعد میں نمک مرچ لگا کر سکھائیں گی۔ امی تو پہلے ہی چاہتی ہیں کہ خالہ مجھ پر محبت کی نظر نہ ڈالیں۔

پتہ نہیں کیا ہو؟

ایک جی چاہتا تھا' بغاوت کردو۔ اور ایک ہفتہ یہاں رہو اور زندگی سے جی بھر کر لطف اندوز ہو۔

دوسرا جی چاہتا تھا کہ جب پھر اسی قفس میں چلے جانا ہے اور اداس دن گزارنے ہیں تو ان خوشی کے دنوں کو' چند لمحوں کو کیا کرنا ہے۔ خوشی تو وہ ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لیے مل جائے۔ یہ وقتی اور مانگی ہوئی خوشی تو مجھے اور بھی اداس کردے گی۔

پھر جب خوشیوں کے اس ماحول سے نکل کر وہاں جاؤں گی تو وہاں کی تنہائی اور بھی کاٹ کھانے کو دوڑے گی۔ لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

ننھا سا دل لرز رہا تھا اور ننھا سا دل خوشی سے جھوم بھی رہا تھا۔

فرخندہ باغ میں چلی گئی۔ میں کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ جاوید باہر سے سیٹی بجاتا آیا۔ اور میرے پاس بیٹھ گیا۔

آپ اداس کیوں ہوگئیں؟

نہیں تو' اداس تو نہیں ہوں۔

تو پھر خاموش کیوں ہیں؟ فرخندہ اور امی کہاں ہیں؟

فرخندہ باہر ہے اور امی ہمارے گھر گئی ہیں۔

کیوں؟

ابا جان سے اجازت لینے کے لیے کہ میں یہاں ایک ہفتہ تک رہوں گی۔

اخاہ۔۔۔۔۔۔۔ پھر تو بڑے مزے میں دن گزریں گے۔

لیکن مجھے ڈر ہے' ابا جان اجازت نہ دیں گے۔

کیوں؟

بس وہ میرا کہیں بھی جانا پسند نہیں کرتے۔ اور یہ کہہ کر میں اداس ہو گئی۔

آپ اداس ہو گئی ہیں۔

میں چپ رہی۔

آپ اتنی اداس نہ ہوں۔ امی ضرور اجازت لے آئیں گی' لیکن وہ آپ کو اجازت کیوں نہیں دیتے؟

بس وہ پسند نہیں کرتے آنا جانا۔

جاوید خاموش ہو گیا۔

لیکن آپ تو ان سے کہہ سکتی ہیں نا' کہ میں رہنا چاہتی ہوں۔

میں پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ میں بھلا کیسے کہہ سکتی ہوں۔

کیوں نہیں کہہ سکتیں؟

ہمارے گھروں میں لڑکیوں کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

جہاں لڑکیوں کو بات تک کرنے کا اختیار نہ ہو وہاں لڑکیاں اپنا حق خود حاصل کیا کرتی ہیں۔

لیکن اگر میری اپنی امی ہوتیں تو پھر ایسا نہ ہوتا۔

لیکن آپ ان سے بھی کہہ سکتی ہیں۔

نہیں' میں نہیں کہہ سکتی۔ اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میرا دل بھر آیا اور آواز کانپ سی گئی۔

آپ تو غمگین ہو گئیں۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ بہت رنجیدہ رہتی ہیں۔ دیکھیں تو آپ کا پھول سا چہرہ کملا جائے گا۔ آج تو آپ کو ضرور اجازت مل جائے گی کیونکہ آج تو آپ پاس ہوئی ہیں نا۔ سچ' آپ بڑی قابل لڑکی ہیں۔ اتنے شاندار نمبر لیے ہیں۔

آپ سے زیادہ قابل تو نہیں ہوں۔

اچھا لایئے' میں آپ کا ہاتھ دیکھوں۔

آپ کو دیکھنا آتا ہے؟

ہاں ہاں' کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔۔کسی زمانے میں میں نجومی بھی رہا ہوں۔

اور کیا کیا رہے ہیں؟

پہلے ہاتھ دکھائیں' پھر بتاؤں گا۔

میں نے اپنا ہاتھ کھول کر اس کے آگے کر دیا۔

اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

آپ کا ہاتھ تو بڑا گرم ہے۔ ورنہ عام طور پر لڑکیوں کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔

آپ نے لڑکیوں کے ہاتھ دیکھے ہوں گے۔

ہاں نجومی رہا ہوں' اس لیے دیکھنے ہی پڑتے تھے۔ گرم ہاتھ محبت کی نشانی ہوتے ہیں۔

جاوید کی یہ بات سن کر میں مسکرا دی۔

جاوید کہنے لگا۔ تمہارے ہاتھ میں بہت دولت لکھی ہوئی ہے۔ تمہیں کسی سے محبت بھی ہو جائے گی اور بچے تو بے شمار ہیں۔ کوئی ایک سو کے قریب!

چلو شکر ہے چار سو بیس کے قریب تو نہیں ہیں نا!

یہ کہہ کر ہم دونوں ہنس دیئے۔

اور جاوید نے میرا ہاتھ زور سے دبایا۔ اور کہا' اگر ہمت ہے تو چھڑا کر دیکھو۔ اور میں نے زور لگانا شروع کر دیا۔ مگر ہاتھ نہ چھوٹا۔

میں نے کہا۔ خدا کے لیے میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ کوئی آ نہ جائے۔

یہاں آپ بے فکر ہو کر رہیں' یہاں کوئی نہیں آتا۔ لیکن اب میں ہاتھ تو نہیں چھوڑوں گا۔ اب ہاتھ نہیں چھوٹ سکتا۔ میں خاموش

ہوگئی۔ اور چھڑانے کی کوشش چھوڑ دی۔ جاوید مجھے دیکھ رہا تھا اور میں صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور کبھی کبھی مسحور سی ہو کر اسے دیکھنے لگ جاتی۔

اسے دیکھتی تو یوں لگتا جیسے یہ کوئی میرا اپنا ہی بیٹھا ہے۔ اسے دیکھ کر مجھے ذرا سا بھی اجنبیت کا خیال نہیں آ رہا تھا۔ وہ مجھے بالکل اپنا جانا پہچانا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد خالہ آ گئیں۔ فرخندہ ماسٹر سے پڑھنے چلی گئی تھی۔ میں جلدی سے خالہ کے پاس پہنچی۔

خالہ کہنے لگیں۔ بڑی مشکل سے اجازت لے کر آئی ہوں امی جان تو مان گئیں مگر ابا نہیں مانتے تھے۔

فرخندہ بھی ماسٹر سے پڑھ چکی تھی۔ بھاگی بھاگی آئی اور خوشی سے مجھ سے چمٹ گئی۔

میں بھی بہت خوش ہوگئی اور گھر بار سب کو بھول گئی۔ یہ لوگ کس قدر اچھے ہیں۔ مجھ سے کس قدر پیار کرتے ہیں۔ حالانکہ امی نے نہ جانے خالہ کو کیا کیا باتیں بتائیں ہوں گی مگر خالہ مجھ پر اسی طرح مہربان ہیں۔ یہ خیال کہ یہ پورا ہفتہ میں یہاں گزاروں گی' مجھے کس قدر خوشی بخش رہا تھا۔

پورا ہفتہ بیت گیا۔

زندگی کے سات دن اور گزر گئے۔ مگر یہ محض سات دن نہیں گزرے تھے' خوشی کا ایک رنگین اور سہانا زمانہ تھا جو پلک جھپکنے میں بیت گیا۔ میری زندگی کا یہ ہفتہ.......میں اسے عمر بھر نہ فراموش کرسکوں گی۔

یہاں محبت نے پہلی بار میرے دل میں آنکھ کھولی ہے۔ اور اب جبکہ میں اپنے اس گھر جا رہی ہوں' میرا دل اداس بھی ہے اور مسرور بھی۔ کبھی کبھی میں سوچا کرتی تھی کہ میرا اپنا گھر کہاں ہے۔ خوشی سے بھرا ہوا گھر۔ اس دنیا میں کہیں ہے بھی یا نہیں۔ سات دن رہ کر میں نے اپنے ماں باپ کو پا لیا تھا۔ اپنے بہن بھائیوں کو پا لیا تھا۔ اپنے محبوب کو پا لیا تھا۔ اپنے گھر کو پا لیا تھا۔ اپنی خوشی کو پا لیا تھا۔

اسی شام جب امی نے رہنے کی اجازت دے دی تو زندگی ایک رنگین خواب بن کر سامنے آ گئی۔ رات کو کھانے س فارغ ہونے کے بعد میں فرخندہ اور جاوید سیر کو چل دیئے۔

چاند کالے کالے پہاڑوں کے پیچھے سے یوں ابھر رہا تھا۔ جیسے زنداں کی دیواروں میں گھری ہوئی کوئی شہزادی سیاہ لباس پہنے باہر جھانک رہی ہو۔ ہوا حسب معمول خوشبوؤں سے بھری ہوئی تھی اور ہم سیر کو جا رہے تھے۔

جاوید بات بات پر ہنس رہا تھا اور یوں محبت سے میری طرف دیکھتا جیسے میری روح کھینچ کر باہر نکال لے گا۔ میرا دل دھڑکنے لگتا اور میرے انگ انگ میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ راستے میں جاوید نے گانا سنایا۔ اس کی آواز نے اس کے چہرے سے زیادہ مجھے مسحور کیا۔ اس کی آواز پہاڑوں کے دل چیرتی نکل گئی۔ مجھے کبھی خیال بھی نہ تھا کہ جاوید اس قدر اچھا گاتا بھی ہوگا۔

فرخندہ نے بھی گانا سنایا۔ وہ مجھے بھی کہتی رہی کہ تم بھی سناؤ مگر میں کیا سناتی۔ میں نے کبھی گایا ہی نہ تھا۔ زندگی نے مجھے کبھی گانے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ ہم کچھ ہی آگے گئے تھے کہ فرخندہ کو نیند آنے لگی۔

جاوید کہنے لگا۔ چلو فرخندہ کو چھوڑ آتے ہیں اور ہم اور آگے جائیں گے۔ ابھی ہم گھر سے دور نہیں آئے تھے۔ رات کے نو بج چکے تھے۔

فرخندہ کو گھر چھوڑ کر ہم باہر نکل آئے۔ ٹھنڈ زیادہ ہو رہی تھی اور مجھے کوٹ میں سردی محسوس ہو رہی تھی۔ جاوید نے میرا ہاتھ پکڑا تو بہت ٹھنڈا تھا۔ کہنے لگا۔

آپ تو سردی سے کانپ رہی ہیں۔ آپ کے ہاتھ ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔

میں نے کہا۔ نہیں، بس یونہی ہو گئے ہیں۔ ابھی چلوں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔ لیکن جاوید آگے نہ گیا۔ ہم وہیں ایک طرف چھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھ گئے۔

چاروں طرف چاندنی چھائی ہوئی تھی۔

پہاڑوں پر چاندنی رات اتنی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ اس کا مجھے کبھی علم نہ تھا۔ اور پھر اس وقت جبکہ جاوید بھی میرے پاس تھا' جس کو دیکھتے ہی مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ پھر چاندنی رات کیوں نہ حسین ہو جاتی؟ ان پانچ چھ گھنٹوں کی ملاقات میں ہی مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں جاوید کو ہمیشہ سے جانتی ہوں۔ وہ مجھ سے کبھی بھی نہیں بچھڑا تھا۔ اجنبیت کا کوئی خیال نہیں تھا۔

ہم دونوں کتنی ہی دیر تک وہاں خاموش بیٹھے رہے۔ جاوید نے میرا سر اپنے سینے کے ساتھ لگایا اور ہولے ہولے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ میرے رخساروں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ مجھ پر ایک سحر طاری ہونے لگا۔ ایسا ہی سحر جو کلی کو چٹکنے پر مجبور کرتا ہے۔

جاوید کہنے لگا۔ ''جمیلہ! میں سوچتا ہوں' ہم لوگ کیسی عجیب زندگی بسر کر رہے ہیں۔ زندگی کتنی دلچسپ اور پیاری چیز ہے۔ مگر لوگ اس سے بالکل ناآشنا ہیں۔ وہ زندگی کی قدر و قیمت بالکل نہیں جانتے۔ وہ زندگی یوں بسر کرتے ہیں جیسے وہ کوئی سزا بھگت رہے ہیں۔

میرا جی چاہتا ہے میں بڑی حسین اور خوبصورت اور صحت مند زندگی بسر کروں۔ اور لوگوں کو زندگی کا پیغام دوں۔ پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اپنی طرف بلاؤں اور انہیں زندہ رہنے کا سبق پڑھاؤں۔ مجھے پہاڑوں کی یہ پراسرار خاموشی' یہ چاندنی رات' یہ سرپرنیلا آسمان' یہ سب کچھ اتنا پسند ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ میرا جی چاہتا ہے میں اپنی ساری زندگی یہیں بیٹھے بیٹھے گزار دوں اس خوبصورت چاندنی رات میں تمہارے پاس بیٹھ کر مجھے زندگی سے اور زیادہ پیار ہو گیا ہے۔ دیکھو میری طرف جمیلہ! آنکھیں کھول کر دیکھو۔"

لیکن مجھ سے آنکھیں نہ کھل سکیں۔ مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا۔

میں خاموش آنکھیں بند کئے۔ اس کے سینے کے ساتھ لگی بیٹھی رہی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ یہ طلسم ٹوٹے مگر دیر ہو رہی تھی۔ پھر ہم دونوں گھر آ گئے اور سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں چل دیئے۔ ساری رات رنگین خواب دیکھتی رہی۔ دوسری صبح کو آنکھ کھلی تو کافی دن چڑھ آیا تھا۔ میں جلدی سے اٹھی' تیار ہوئی اور ناشتہ کیا۔ پتہ چلا' جاوید ابھی تک سویا ہوا ہے۔ میں اور فرخندہ اسے اٹھانے چلے۔ فرخندہ نے اسکول سے آج بھی چھٹی لے لی تھی۔

ہم نے جا کر اسے بلایا۔ فرخندہ کہنے لگی۔ بھیا! جلدی سے اٹھئے' آج دیر کیوں لگا دی؟ مگر بھیا صاحب کروٹ بدل کر پھر سو گئے۔

بھیا! صبح کے دس بج گئے ہیں۔ آپ کب اٹھیں گے؟ دیکھئے جمیلہ باجی! آپ کو بلا رہی ہیں۔ میرا نام سنتے ہی اس نے سیدھے ہو کر نیند سے بھری ہوئی شرابی نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

اب تو اٹھنا ہی پڑے گا۔ اور یہ کہہ کر جاوید بستر سے نیچے اتر آیا۔

پھر دوپہر کو اکٹھے کھانا کھایا۔

جاوید کہنے لگا۔ جمیلہ پاس ہوئی ہے' آج رات ہم اس کی دعوت کریں گے۔ اور اسے پھولوں کی شہزادی بنائیں گے۔

رات کو بڑی شاندار دعوت ہوئی۔ فرخندہ نے اپنی سہیلیوں کو بھی بلایا۔ اور مجھے خالہ نے تحفے میں ایک شاندار ساڑھی دی۔ جو میں نے رات کو پہنی اور جاوید نے چین دیا۔ فرخندہ نے انگوٹھی دی اور جاوید پھولوں کا زیور لے آیا۔

میرے سر پر گلاب کے سرخ شگوفوں کا تاج پہنایا گیا' گلے میں ہار ڈالے گئے' گجرے پہنائے گئے اور بہت سے پھول بالوں میں لگائے گئے۔

رات کو فرخندہ کی سہیلیوں نے ڈھولک بجائی' گیت گائے اور گیارہ بجے تک ایک ہنگامہ رہا۔

اور جاوید مجھے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اب سوچتی ہوں تو یہ گزرا ہوا ہفتہ خواب کی طرح لگتا ہے۔

اور رات کو جب سب چلے گئے' گھر والے سو گئے تو جاوید مجھے باہر باغ میں لے گیا۔ اور ہم بنچ پر بیٹھ گئے۔

درختوں کی پرمہک چھاؤں تلے ہم بنچ پر بیٹھے تھے۔ جاوید کہنے لگا۔ پھولوں کی شہزادی! مجھے بتاؤ' کیا تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟ دیکھو میری طرف' زندگی کی ان خوبصورت راتوں کو بغیر پیار کئے ضائع نہ کرو۔ میری طرف دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ یہ تم نے ایک ہی روز میں مجھے کیا کر دیا ہے؟ میرا جی چاہتا ہے میں تمہیں اپنے سینے کے ساتھ لگا لوں اور ساری زندگی یونہی سینے کے ساتھ لگائے بیٹھا رہوں۔

اور یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اور مجھے نیند سی آنے لگی اور میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور پھولوں کی شہزادی' اپنے محبوب کے کشادہ اور چوڑے سینے پر سر رکھے خواب دیکھنے لگی۔

اس رات جاوید نے پہلی بار میرے ہونٹوں کو چوما۔ اور میرا سارا جسم یوں لرز اٹھا جیسے پھول کو توڑتے وقت ساوی ٹہنی کانپ اٹھتی ہے۔ ہم وہاں کوئی ایک گھنٹہ تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد سردی زیادہ بڑھ گئی اور ہم واپس پلٹ آئے۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں۔

میں نے کپڑے بدلے اور بستر پر دراز ہو گئی مگر نیند نہ آئی۔ ایک نشہ تھا جو مجھ پر چھایا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے خواب دیکھ رہی ہوں۔ غرضیکہ یہ پورا ہفتہ اسی محبت اور پیار میں گزر گیا۔ خالہ کہنے لگیں۔ میں تمہیں بہت جلدی اپنی بیٹی بنا لوں گی اور جب میں آنے لگی تو جاوید کس قدر اداس تھا۔ میرا اپنا دل ویران ہو رہا تھا۔ زندگی کا سہانا خواب پلک جھپکنے میں بیت گیا۔ کاش! اس خواب سے میری نیند کبھی نہ ٹوٹتی۔ جاوید پندرہ روز کی چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ رخصت کے وقت اس نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں اسے ضرور خط لکھوں اور یہ کہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے ہمارے گھر آئے گا۔ لیکن میں ڈر رہی تھی۔ میں اسے کیونکہ خط لکھ سکتی تھی۔

اگر امی کو پتہ چل گیا تو کیا کچھ نہ ہوگا؟ ہائے۔۔۔۔۔۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ میں یہاں سے جاؤں۔ چلتے وقت میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے۔

لیکن مجھے آنا ہی پڑا۔

زندگی کا حسین خواب بیت گیا تھا۔ اور اب میں تلخ حقیقتوں کی طرف آ رہی تھی۔ میں نے خالہ سے کہا۔ آپ مجھے چھوڑ کر آئیں۔ خالہ میرے ساتھ آئیں۔ جاوید کو خدا حافظ کہا۔ فرخندہ سے رخصت ہوئی اور بوجھل اور سست قدموں سے گھر کو روانہ ہو پڑی۔ ایک قدم گھر کی طرف اٹھاتی تھی تو چار قدم پیچھے کو پلٹ جاتے تھے۔ راستہ میں خالہ باتیں کر رہی تھیں اور میں الٹے سیدھے جواب دے رہی تھی یہاں آن کر مجھے پتہ چلا تھا کہ زندگی کتنی خوبصورت ہے۔

گھر پہنچی' امی سے ملی' بلو کو گود میں لیا۔ خالہ امی کے پاس بیٹھی رہیں۔ پھر وہ رخصت ہو گئیں اور دوبارہ ان کو دروازے تک چھوڑ کر امی کے پاس آ گئی۔

میں نے امی کو ساڑھی' انگوٹھی اور چین دکھایا۔ امی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ میرا دل کانپ اٹھا۔ امی نے کہا' یہ چیزیں تم نے خالہ کے سامنے کیوں نہ دکھائیں۔ ان کو لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اور دوسرے روز امی نے وہ چیزیں ان کو واپس بھجوانے کے لیے اپنے پاس رکھ لیں۔ میں کتنی ہی دیر امی کے پاس بیٹھی رہی مگر امی نے کوئی بات نہ کی۔

بلو کو گود میں لینا چاہا تو امی کہنے لگیں۔ رہنے دو اسے۔

امی کا موڈ تلخ سے تلخ تر ہو رہا تھا۔ اور میرا دل ڈوب رہا تھا۔

آخر میں نے کہا۔ امی! آپ چپ چپ کیوں ہیں؟

تمہیں مجھ سے کیا؟

کیوں امی! آپ تو میری امی ہیں۔

وہاں تمہیں اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم جا کر بیٹھ ہی جاتیں۔ اب کیا کرنے آئی ہو؟ اب بھی وہیں چلی جاؤ۔ بھلا کہیں کنواری لڑکیاں بھی دوسروں کے گھر ماں باپ کے بغیر رات بسر کرتی ہیں؟ تمہیں اپنی عزت کا خیال نہیں تھا تو میری ہی عزت کا خیال کر لیا ہوتا۔

لیکن امی! آپ نے اجازت دی تھی تب ہی تو میں رہی تھی نا۔

تو کیا اجازت نہ دیتی' جب تم نے خالہ کو سکھا کر بھیج دیا۔

امی! میں نے تو خالہ کو نہیں سکھایا تھا۔ وہ تو خود کہتی تھیں۔ اچھا' اب آئندہ سے نہیں جاؤں گی۔

مجھے کیا' جاؤ یا نہ جاؤ۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارے بغیر گھر کا کام نہ ہو سکتا تھا۔

اتنے میں ابا جان بھی آ گئے۔ مجھے دیکھ کر خفا ہونے لگے کہ وہاں جا کر تم ایک ہفتہ کیوں رہیں۔ شام کو آ جانا تھا۔

ابا جان نے امی کے سامنے بہت جھڑکیاں دیں۔ میں رونے لگی اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرہ میں آ گئی۔

ایک ہفتہ کے بعد اپنے کمرہ میں داخل ہوئی تھی۔ کرسی پر بیٹھ کر بہت روئی۔ گھر ویران ویران نظر آیا۔

کہاں وہ خالہ کے گھر کی رونق اور کہاں یہ خاموش اور اداس گھر۔ مجھے رہ رہ کر خالہ کے گھر میں گزرے ہوئے دن یاد آنے لگے۔ جاوید یاد آیا۔ اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جاوید سمجھتا ہے میں خوش رہتی ہوں۔ اسے کیا پتہ کہ میں کس قدر دکھی ہوں۔ اس نے پکا وعدہ لیا تھا کہ میں اسے خط لکھوں گی لیکن ان لوگوں کو کیا پتہ۔۔۔۔۔۔!

جاوید! تم میری زندگی کو کیا جانو۔ تمہیں کیا پتہ کہ گھر آ کر میری کس قدر شامت آئی۔ رات کو کھانا بھی نہ کھایا۔ اور سارا وقت اپنے کمرے میں بیٹھی رہی۔ امی اور ابا نہ جانے کیا بڑبڑ کرتے رہے' بولتے رہے۔ رات کو نیند بھی نہ آئی اور میں ساری رات روتی رہی۔

دوسرے روز امی کی زبانی پتہ چلا کہ ابا رات میری شادی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

امی نے کہا۔ وہ اپنے ایک رشتہ کے بھائی کے ہاں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا پیغام ایک مہینہ سے آیا ہوا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تم بات کرنا۔ میں نے تم کو بتا دیا ہے۔ جوان لڑکی کو آخر کب تک گھر میں بٹھایا جا سکتا ہے اور پھر اب تم پاس بھی ہو گئی ہو۔ اب بیٹی! ہم نے سوچا ہے تمہاری شادی کر دیں۔

اور یہ کہہ کر امی نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور میری پیٹھ پر تھپکی دی۔

امی جب تک شادی کا ذکر کرتی رہیں' میں بھری بیٹھی رہی۔ خاموش' ویران' اور اداس۔ میرے آنسو خشک تھے مگر میرا چہرہ رو رہا تھا۔ مجھے بھلا کس پر مان تھا۔ اپنی امی ہوتی تو اس کے سینے سے چمٹ کر کہتی۔ امی! میری ابھی شادی نہ کرو اور اگر میری شادی کرنی ہے تو پھر وہاں کرنا جہاں میں تم سے کہوں گی۔

میں نے اس امی کو کچھ نہ کہا اور مجھے کہنا بھی کیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور تھپکی دی تو آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔ اور میں ان کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امی کہنے لگیں۔ مت رو بیٹی! بیٹیوں کو آخر ایک نہ ایک دن اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے۔ آخر کب تک تم یہاں رہ سکتی ہو۔ ایک نہ ایک روز تمہیں جانا ہی ہوگا۔

امی! میں نے روتے ہوئے کہا۔ پیاری امی! میں ایک نہ ایک روز چلی جاؤں گی مگر ابھی میری شادی نہ کریں۔ میں اگر ہمیشہ آپ

کے پاس نہیں رہ سکتی۔ ہمیشہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی تو آپ کچھ روز اور مجھے یہاں رہ لینے دیں۔

پیاری امی! میں آئندہ آپ کی ہر بات مانوں گی۔ میں خالہ کے گھر یہاں بھی نہیں جاؤں گی۔

لیکن امی کہنے لگیں۔ رات کو تمہارے ابا آئیں گے تم ان سے بات کر لینا۔ میری تو وہ نہیں مانیں گے۔

نہیں امی! میں ابا سے کبھی بات نہ کر سکوں گی۔ میں ان کو کچھ نہ کہہ سکوں گی۔ آپ ہی کو ان سے کہنا ہوگا۔ میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں امی!۔۔۔۔۔۔امی! آپ مجھے بلو کی استانی سمجھ کر ابھی رکھ لیں۔ اور دو تین سال کے بعد میری شادی کریں۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔

امی کہنے لگیں۔ اچھا' تمہارے ابا سے بات کروں گی۔ وہ لڑکا بڑا اچھا ہے' بنک میں نوکر ہے۔ تین سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ بی اے پاس ہے' شکل صورت کا بھی اچھا ہے اور نیک شریف بھی ہے۔ اپنے والدین کا سب سے بڑا لڑکا ہے۔ باقی تین بھائی ہیں' وہ چھوٹے ہیں۔ دو بہنیں ہیں۔ اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں' بڑی چاہ کرتے ہیں۔ ایسے ایسے رشتے روز روز نہیں ملا کرتے۔

بیٹی' ہر ماں کو اپنی اولاد کا فکر ہوتا ہے۔ میں اگرچہ تمہاری سگی ماں نہیں ہوں لیکن تمہیں سگی بیٹیوں سے بڑھ کر چاہتی ہوں۔

ہاں امی! میں جانتی ہوں۔ آپ تو مجھے بلو سے بھی بڑھ کر پیار کرتی ہیں۔ اسی لیے تو امی میں آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ اگر مجھے آپ کے پاس دکھ ہوتا تو میں آپ کے پاس کیوں رہوں؟

اچھا' میں رات کو بات کروں گی۔

امی! ضرور کرنا۔

اور امی چلی گئیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد میں کتنی ہی دیر تک یونہی بے حس و حرکت وہیں کرسی پر بیٹھی رہی۔ گزری زندگی کی مختلف تصویریں میرے سے گزرنے لگیں۔ اور چچی کے گھر کی زندگی سے لے کر جاوید کی ملاقات تک کے تمام واقعات نگاہوں میں پھر گئے۔ اور پھر نہ جانے کب وہاں سے اٹھی اور بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ نہ میں نے رات کا کھانا کھایا اور نہ ابا جان کی باتیں سنیں۔ اور یونہی پڑی رہی۔ صبح کو نیند ٹوٹی تو طبیعت میں بڑی اداسی تھی۔ نہ چاہنے کے باوجود میں باورچی خانے میں چلی گئی۔ اور امی کے ساتھ کام کرنے لگی۔

نہ تو امی نے مجھ سے کوئی بات کی' نہ میں نے ان سے کچھ کہا۔

نہ جانے کیا بات ہے۔۔۔۔۔۔امی کا منہ ایک دم بن جاتا ہے۔

اور کام سے فراغت حاصل کر کے میں باہر دھوپ میں جا بیٹھی اور بلو کا سویٹر بننے لگی اور ساتھ ہی اپنے خیالات میں گم ہو گئی۔

میری تمام سہیلیاں اگلی کلاسوں میں داخل ہو گئی ہیں۔ میں داخل نہیں ہو سکی۔ میرا دل کالج جانے کے لیے شعلے کی طرح مضطرب ہے۔ لیکن میں کیسے جاؤں؟ ابا جان سے بات کی ہے' تو وہ کہتے ہیں اب آگے پڑھنے کا نام نہ لینا۔ حالانکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم پاس ہو گئیں تو تم اگلی کلاس میں داخل ہو جانا۔ لیکن اب جیسے ابا جان بھول گئے ہیں۔ اصل میں جب سے ابا جان نے دوسری شادی کی ہے ان کی اپنی کوئی مرضی نہیں رہی۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ بس امی کی ہاں میں ہاں اور امی کی نا میں نا کر دیتے ہیں۔

ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مجھے اگلی کلاس میں داخل کریں یا نہ کریں۔ میری شادی کریں یا کالج میں پڑھائیں۔ اگر آج امی ان سے کہہ دیں تو ابا جان کہیں گے' بالکل ٹھیک ہے۔ اور اگر آج امی کہہ دیں کہ غلط ہے تو وہ کہیں گے بالکل غلط ہے۔ تو پھر امی کو منایا جائے۔

مگر امی بھی نہیں سنتیں۔ یا خدا۔۔۔۔۔۔۔ کیا کروں؟ ذلیل ہو ہو کر امی کی خوشامدیں کرتی ہوں۔ ہائے خدایا تم مجھے کس گناہ کی سزا دے رہے ہو؟

آج میں کام سے فارغ ہو کر باہر باغیچے میں کرسی پر بیٹھی تھی کئی روز سے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت سورج چمک رہا تھا۔ اور اس کی دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں آرام کرسی پر نیم دراز ایک انگریزی رسالہ دیکھ رہی تھی کہ اچانک مجھے پیچھے سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ سمجھی' شاید ہماری نوکرانی ہو گی اور اسی طرح رسالہ دیکھنے میں محو رہی۔ اچانک کسی نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ مضبوط اور سخت ہاتھ۔ میں نے گھبرا کر ہٹانے چاہے مگر گرفت اور مضبوط ہو گئی۔

خدا کے لیے چھوڑ دیجئے۔ پتہ نہیں کون ہیں آپ؟ حالانکہ مجھے معلوم ہو گا ہی تھا کہ یہ جاوید صاحب ہیں۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر کہا تھا۔

جاوید نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کرسی کے بازو پر میرے ساتھ ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بس۔۔۔۔۔۔۔ آپ اتنی جلدی بھول گئیں کہ میں کون ہوں۔ مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی۔''

یوں اچانک اور پھر اس قدر اپنے قریب جاوید کو پا کر اور وہ بھی اپنے گھر میں' جس سے میں خود ہمیشہ خوفزدہ رہی' میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میرے ہونٹ خشک ہو گئے۔ لیکن میں نے جلدی سے کہا۔ میں سمجھی نہ جانے کون ہے۔

اور یہ کہہ کر کرسی سے اٹھنے لگی۔

کیوں' کیوں۔۔۔۔۔۔۔آپ اٹھنے کیوں لگیں؟اور یہ کہہ کر اس نے میرے گلے میں بازو ڈال دیا۔اور میرے چہرے پر جھک آیا اور مجھے یوں لگا جیسے سورج آسمان سے اتر کر اپنی گرم اور مہربان روشنی سے میرے چہرے پر جھک آیا ہے۔

خدا کے لیے کوئی دیکھ لے گا۔مجھے چھوڑ دیجئے۔اگر کسی نے دیکھ لیا تو سمجھ لیجئے گا کہ شام سے پہلے میں مر چکی ہوں گی۔

کوئی نہیں دیکھتا۔تم اتنی جلدی گھبرا کیوں جاتی ہو؟

خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیجئے۔ایمان سے کوئی دیکھ لے گا۔آپ کا تو کچھ نہ جائے گا اور میں ماری جاؤں گی۔دیکھیں وہ امی آ رہی ہیں۔

کہاں؟

اس نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔آپ بے فکر ہو کر بیٹھیں۔میری امی آپ کی امی کے پاس ڈرائنگ روم میں مزے سے بیٹھی ہیں۔یہاں آنے کی بھلا ان کو کیا ضرورت ہے؟

تو کیا خالہ جان بھی آئی ہیں؟

ہاں۔۔۔۔۔۔۔ہم دونوں آئے ہیں۔

فرخندہ نہیں آئی؟

نہیں' وہ سکول گئی ہوئی ہے۔کل میں جا رہا ہوں نا تو آج تم سے ملنے آیا ہوں۔یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے یاد کیا یا نہیں؟

میں نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔اور پھر کہا۔آپ پہلے سامنے والی کرسی پر بیٹھ جائیں تو بتا دوں گی۔

اچھا لو اگر میں اتنا ہی برا لگتا ہوں تو بیٹھ جاتا ہوں۔

اور میں نے جواب دینے کی بجائے شکایت آمیز نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔اور وہ مسکرا دیا۔

جاوید کہنے لگا۔

اصل میں میری عادت بڑی کھلی قسم کی ہے۔میں نے کھلے ماحول میں پرورش پائی ہے۔اور اس لیے میں ایسی جگہ آن کر جہاں پردے کی پابندی ہو بھول جاتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔تو آپ مجھے معاف کر دیا کریں۔

اچھا بتائیں' کیا آپ نے مجھے یاد کیا؟

لیکن میں اسے کیسے بتاتی کہ اس کا خیال اب زندگی بھر مجھ سے کبھی جدا نہ ہوگا۔

میں نے کہا۔ پھر بتادوں گی۔

پھر کب؟

پھر کسی روز۔

لیکن میں تو واپس جا رہا ہوں۔

اچھا!

پھر جاوید میرے ہاتھ سے رسالہ لے کر دیکھنے لگا۔ اس کے بعد بولا۔ بتاؤں امی کس لیے آئی ہیں؟

کس لیے؟

تمہاری شکایت کرنے۔

کیسی شکایت؟

یہی کہ تم جتنا عرصہ ہمارے گھر پر رہیں' چوری کرتی رہیں۔

میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔۔۔۔۔۔کیسی چوری؟

جاوید نے میرے چہرے پر اپنی نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

آپ کو نہیں معلوم' عجیب بات ہے۔ خود ہی چوری کی ہے اور خود ہی۔۔۔۔۔۔

سچ! میں بالکل نہیں جانتی۔

جب آپ خود نہیں جانتیں' تو پھر میرے بتانے سے بھی نہ جان سکیں گی۔

لیکن آپ بتائیں تو سہی' ممکن ہے مجھے یاد آ جائے۔

لو سنو پھر' اگر واقعی تمہیں نہیں معلوم۔۔۔۔۔۔میری امی اس لیے آئی ہیں کہ وہ تمہاری امی سے کہیں کہ اس نے میرے اکلوتے بیٹے جاوید کا دل چرا لیا ہے۔ اس لیے چور کو ہمیشہ کے لیے ہمارے گھر بھیج دیں۔

اور میں نے جاوید کی یہ بات سن کر شرما کر جلدی سے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

تو اب شرماتی کیوں ہو؟ کیا کبھی چور بھی شرمایا ہے؟

لیکن میں نے کتنی ہی دیر تک ہاتھ چہرہ پر رہنے دیا۔اور پھر خود ہی جلدی سے ہٹا لیے کہ کہیں کوئی ادھر سے نہ آ جائے۔

اس کے بعد جاوید نے مجھے بتایا کہ وہ مجھے بہت یاد کرتا رہا ہے لیکن میں ایک دم اداس ہوگئی تھی۔جاوید نے پوچھا۔تم اداس کیوں ہوگئی ہو؟

اور اب میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے۔اور جاوید کے ایک دو بار اور پوچھنے پر میں نے اسے بتایا کہ امی کبھی نہ مانیں گی۔

کیوں؟

بس آپ دیکھ لیں گے کہ ہماری امی کبھی نہ مانیں گی۔

تو کیا تمہاری امی ہمیں برا سمجھتی ہیں؟

نہیں اس لیے نہیں۔

تو پھر کس لیے؟

اگر میری سگی والدہ آج زندہ ہوتیں۔تو وہ آپ کی راہ میں آنکھیں بچھا دیتیں۔وہ اس رشتے سے خوشی سے پھولی نہ سماتیں۔لیکن میری امی یہ کبھی پسند نہ کریں گی۔

یہی تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر کیوں؟

پتہ نہیں کیوں؟میری سمجھ میں تو خود نہیں آ رہا۔کہیں اور سے رشتہ آیا ہوا ہے اور یہ وہاں میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔

لیکن کون لوگ ہیں وہ؟

اور میں نے جاوید کو سب کچھ بتا دیا۔اور یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے پڑھنے کا کس قدر شوق ہے۔مگر میری بات کوئی نہیں سنتا۔اور یہ بھی کہ امی اپنی بہن کی شادی تم سے کرنا چاہتی ہیں۔اس انکشاف کر جاوید حیران رہ گیا۔اور خاموش ہوگیا۔پھر کہنے لگا۔تم کوئی فکر نہ کرو' سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا میں خود ٹھیک کرلوں گا۔چلو تم اندر چلو۔

اور جاوید باہر کے راستہ سے اور میں اندر کے راستہ امی کے پاس پہنچی۔خالہ کو سلام کیا۔کہنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔کہاں تھیں؟

میں نے کہا۔باہر بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی۔آپ کے آنے کی خبر سنی تو اندر آ گئی۔

خالہ کا حال احوال پوچھ کر میں خالہ کے پاس بیٹھ گئی۔امی بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔کچھ دیر بعد میں باورچی خانے میں چائے تیار کرنے لگی اور جب چائے لے کر آئی تو جاوید بھی وہاں بیٹھا تھا۔میں نے اسے دیکھ کر جلدی سے پردہ کرلیا۔لیکن مجھے اپنی اس حرکت

پر بڑی گھن سی آئی۔اور یہ دھوکہ بازی مجھے پسند نہ آئی کہ جاوید کے ہاں رہی' تو اس کے سامنے کھلم کھلا باتیں کرتی رہی بلکہ اس نے تو مجھے پیار بھی کیا تھا۔اور یہاں بھی اس کے سامنے بیٹھ کر باتیں کرتی رہی اور یہاں امی کے سامنے پردہ کرلوں۔

مجھے اپنی اس گھٹیا حرکت پر سخت ندامت ہوگی۔مگر میں مجبور تھی۔ایسی حرکتیں یہ لوگ' یہ بڑے بزرگ لوگ ہمیں خود سکھاتے ہیں۔اب اگر میں جاوید کے سامنے ہوجاتی تو کیا ہوجاتا۔میرے دل میں بھی کوئی چور نہ ہوتا۔مگر آپ یہ نہ کہیں کہ کیا ہوجاتا۔

جناب!ان لوگوں کو دھوکہ اور فریب ہی پسند ہے۔یہاں وہ کچھ ہوتا جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ابا جان ڈنڈا لے کر مارتے اور امی زندگی بھر طعنے دیتیں۔

بس یہاں چھپ کر بے شک مل لو مگر کسی کے سامنے نہیں۔یہاں چھپ کر سب کچھ کرلو تو کوئی بری بات نہیں مگر سامنے کی معمولی سی لغزش بھی سنگین جرم بن جاتی ہے۔ایسے ماحول میں میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔اور جی چاہتا ہے کہ ایسی جگہ چلی جاؤں جہاں سچائی کی حکومت ہو۔اور کوئی روک ٹوک نہ ہو۔کیونکہ روک ٹوک جرم کو دعوت دیتی ہے اور امی کو بھی دیکھو' خالہ اور جاوید کے سامنے کہنے لگیں۔

اے جمیلہ!تم تو جاوید سے پردہ کر بیٹھیں بھلا کہیں بہنیں بھی بھائیوں سے چھپتی ہیں۔لیکن میں کھسیانی ہنسی ہنس کر باہر چل دی۔

خالہ جان دو گھنٹے بیٹھی رہیں اور پھر جب جانے لگیں تو امی سے کہنے لگیں کہ کل پھر جمیلہ کو ضرور بھیج دینا۔

امی کہنے لگیں۔ہاں'اس کے ابا نے اجازت دی تو ضرور آئے گی۔

نہیں نہیں۔خالہ کہنے لگیں۔ابا کا کیا ہے؟اجازت دینے والی ماں ہوتی ہے۔تم خود جمیلہ کو لے کر آنا۔کل دس بجے تم لوگ پہنچ جانا۔

اور ان کے جانے کے بعد پتہ چلا کہ کل فرخندہ کی سالگرہ ہے اور جاوید نے مجھے بالکل نہیں بتایا تھا۔

ان کے جانے کے بعد میں نے امی کا ردعمل دیکھا۔مجھ سے کہنے لگیں۔

امی!اگر آپ اجازت دیں گی تو چلی جاؤں گی۔

میری اجازت کا کیا ہے'تم جانا چاہوگی تو تمہیں کون روک سکتا ہے۔لیکن جوان لڑکیاں دوسروں کے گھر نہیں جایا کرتیں۔ہمارے ہاں یہ دستور نہیں ہے اور پھر تمہیں پتہ ہے تمہارے ابا ان باتوں کو پسند نہیں کرتے۔

میں کچھ دیر خاموش رہی اور پھر بولی۔

لیکن امی!آپ کو کل ضرور جانا چاہیے۔ورنہ خالہ خفا ہوجائیں گی۔میں گھر میں رہوں گی۔آپ خالہ سے کہہ دیجئے گا کہ اس کی

طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے وہ نہیں آئی۔

ہاں میں کہہ دوں گی۔

اور میں باورچی خانے کا کام سنبھالنے کے لیے چلی گئی۔میرا دل اداس تھا اور آنکھ میں آنسو تھے۔

رات کو جب امی اور ابا کے کمرے کے پاس سے گزری تو باتوں کی آواز آئی۔جس میں میرا نام لیا جا رہا تھا۔جی تو نہیں چاہتا تھا کہ یوں چھپ کر باتیں سنوں' کیونکہ یہ ایک اخلاقی جرم تھا۔لیکن چونکہ میرا نام امی اپنی تیز آواز میں بار بار لیے جا رہی تھی تو میرا دل دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔اور پھر مجھے پتہ بھی تھا کہ آج کل گھر میں میری شادی کی بات ہو رہی ہے۔اور ادھر سے جاوید کا پیغام بھی آیا ہوا ہے۔اس لیے میں رک کر سننے لگی۔امی کہہ رہی تھیں۔

ہاں' ہاں' لڑکا بہت اچھا ہے' بی اے ہے۔آپ اس کی شادی بہت جلد کر دیں۔آج خالہ زینت آئی ہوئی تھیں اور وہ بھی کہہ رہی تھیں کہ جس لڑکی کی یوں بچپن میں منگنی وغیرہ چھوٹ چکی ہو اس کی فوراً شادی کر دینا چاہیے۔لڑکی کا کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔میں نے اس سے پوچھا تھا اور وہ خاموش رہی تھی اور بھلا لڑکیوں سے بھی کوئی پوچھتا ہے۔آپ ہاں کر دیں اور ایک ماہ تک شادی کی تیاری کر دیں۔ہم اگلے مہینے کے پہلے ہفتہ میں شادی کر دیں گے۔

اور ابا جان ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔یہ سن کر میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور میں جلدی سے اپنے کمرہ میں واپس آ گئی۔پہلے تو جی چاہتا تھا کہ بھاگ کر جاؤں اور ابا جان کو رو رو سب کچھ بتاؤں اور کہوں کہ میں صرف جاوید سے شادی کرنا چاہتی ہوں' آپ کو اگر میری شادی کرنی ہے تو جاوید سے کر دیں اور اس خیال سے اٹھی بھی کہ اگر خاموش رہی' تو ساری زندگی تباہ ہو جائے گی۔مجھے تھوڑی سی ہمت کر لینی چاہیے لیکن چند قدم چل کر واپس آ گئی۔جاتی دفعہ قدم تیز تھے اور غصہ' غم اور جوش سے میرا چہرہ تپ رہا تھا۔لیکن واپسی پر سر جھکائے زرد چہرہ لیے بوجھل قدم اٹھائے واپس آ گئی۔

اے جمیلہ۔۔۔۔۔۔۔تو کس سے دل کی بات کہنے جا رہی ہے؟ یہاں تیری کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔یہاں تیری کوئے بات نہیں مانی جائے گی۔یہاں تیری حیثیت ایک کیڑے سے بھی کمتر ہے۔واپس پلٹ آ۔تیرا ان پر کیا مان؟ تو ہمیشہ یہاں آنسو بہاتی رہی ہے۔اور جب تو نے آج تک کبھی شکایت کا ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا' کوئی نافرمانی نہیں کی تو اب کیوں کرتی ہے ہونے دے جو ہوتا ہے اور میں واپس آن کر چپ چاپ کھڑکی سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

باہر پراسرار رات چھائی ہوئی تھی۔ سیاہ اور کالی رات۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ سرد ہوا چل رہی تھی۔ میں کھڑکی سے ٹیک لگائے بے حس وحرکت کھڑی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں اور دل لرز رہا تھا۔

اے خدا مجھے امن وسکون دے' شانتی۔۔۔۔۔۔۔اے شانتی! میرے پاس آ جا۔

اے خوبصورت ستارے بنانے والے خدا۔۔۔۔۔۔۔میں تجھے اپنے دل کی آرزو کیوں بتاؤں۔۔۔۔۔۔۔کیا بتاؤں؟ تو خود دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ اور نیت کا پھل دینے والا ہے۔ میرا حال جان اور میری آرزو بھی پوری کردے اور تو اگر میری آرزو پوری نہیں کرسکتا تو میں تجھ سے کچھ نہیں کہوں گی' میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گی' میں خاموش ہو جاؤں گی۔

رات ایک خاموشی کے عالم میں بسر کردی۔ صبح ہوئی اور میں خاموشی سے اپنے کام میں لگ گئی۔

امی تیار ہو کر چلی گئیں۔ ننھی بلو کو آپا لے گئی اور میں گھر میں نوکر کے ساتھ اکیلی رہ گئی اور چپ چاپ کھڑکی سے لگ کر باہر سڑک کو تکنے لگی اور وہ رکشا جس میں امی بیٹھی ہوئے تھیں دور ہوتے ہوتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ لیکن میں وہیں کھڑی رہی۔ اور یونہی بلا مقصد سڑک کو تکتی رہی۔ اس کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور کمبل اوڑھ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ ایک گھنٹہ تک یونہی پڑی رہی' گم سم۔۔۔۔۔۔۔نہ سو رہی تھی اور نہ جاگ رہی تھی۔ کبھی کبھی سوچنے لگتی کہ خالہ نے مجھے نہ پا کر پوچھا ہوگا' فرخندہ مچل رہی ہوگی کہ باجی کو کیوں نہیں لائے۔ اور جاوید اداس ہو گیا ہوگا۔ شاید وہ مجھے لینے آ جائے۔ اور اچانک اس خیال کے ساتھ ہی مجھے احساس ہوا' جیسے کوئی میرے پلنگ کے پاس ہے اور میں نے اپنا وہم دور کرنے کے لیے آنکھیں کھولیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ جاوید میرے اوپر جھکا ہوا' مجھے چمکتی ہوئی شوخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

آپ۔۔۔۔۔۔۔آپ کیسے آ گئے؟

تم جو نہ آئیں۔ کیوں نہیں آئیں تھیں؟

جب امی مجھے ساتھ لے کر نہ گئیں تو میں کیسے آتی؟

اتنا کہہ کر میں نے پلنگ سے اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو اس نے مجھے اٹھنے سے منع کر دیا اور خود میرے پاس ہی پٹی پر بیٹھ گیا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔

کوئی آ نہ جائے۔۔۔۔۔۔۔میں نے کہا۔

گھر میں اور ہے کون جو آ جائے گا۔ جاوید نے کہا۔

لیکن نوکر تو ہے نا!

اس نے مجھے اندر آتے دیکھا ہی نہیں۔

سچ؟

ہاں ہاں۔۔۔۔۔۔۔ٹھہرو میں دروازہ بند کر لوں کہیں وہ آ ہی نہ جائے۔

دروازہ بند نہ کرو۔ دیکھو۔۔۔۔۔۔۔اگر کہیں کوئی اور آ گیا تو پھر کیا ہوگا؟ کیا خبر ابا جان ہی دفتر سے چھٹی کر کے آ جائیں یا امی ہی پلٹ آئیں۔۔۔۔۔۔۔تو؟

جمیلہ! تمہیں تو خواہ مخواہ ہی وہم ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں کوئی نہیں آتا۔ اگر کوئی آیا بھی' تو میں پچھلے دروازے سے باہر باغ میں نکل جاؤں گا۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔

اور یہ کہہ کر اس نے دروازے کو اندر سے چٹخنی لگا دی۔ مجھے نہ جانے کیوں ایک دم خوف محسوس ہوا۔ لیکن پھر میں نے سوچا' جاوید ایسا نہیں ہے۔

جاوید مجھے گھبراتا دیکھ کر ہنسنے لگا۔ پگلی لڑکی! گھبرا کیوں رہی ہو؟

نہیں تو۔۔۔۔۔۔۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔

پھر جاوید میرے پاس آن بیٹھا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر دبانے لگا اور پھر اس نے ٹھوڑی سے پکڑ کر میرا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اور بڑی پراسرار سرگوشی میں دل کی گہرائیوں سے پوچھا۔

''جمیلہ۔۔۔۔۔۔۔میری جمیلہ! تم اداس کیوں ہو؟''

میں نے اپنا چہرہ اوپر اٹھا کر ایک لمحہ کو اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ میرے ہونٹ کانپے اور میں جاوید کے سینہ سے لگ کر رونے لگی۔

جاوید' یہ لوگ میری شادی کر رہے ہیں۔

کہاں؟

اسی لڑکے کے ساتھ' جسے میں نے دیکھا تک نہیں۔ خدا جانے وہ کون ہے۔ لیکن میں تو کسی سے بھی شادی نہیں کر سکتی۔

مجھ سے بھی نہیں؟ جاوید نے جھک کر پوچھا۔

میں آپ کی بات نہیں اوروں کی بات کر رہی ہوں۔ اور پھر میں نے جاوید کو سب کچھ بتا دیا کہ رات کیا کیا باتیں ہو رہی تھیں۔

جاوید یہ سن کر پریشان سا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا۔ امی کہتی تھیں کہ میں ان لوگوں کو ضرور منا لوں گی۔ جمیلہ! تم فکر نہ کرو۔ دیکھو میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تم وہاں نہیں آئی تھیں تو میں بھاگ کر یہاں آ گیا ہوں۔ اب فرخندہ تمہیں لینے کو آ رہی ہو گی۔

لیکن جب تک امی اجازت نہ دیں گی، میں کیسے جا سکتی ہوں۔

امی نے اجازت دی ہے جب ہی تو فرخندہ آ رہی ہے نا۔

اس کے بعد ہم دس منٹ تک خاموش ایک دوسرے کے ساتھ لگے بیٹھے رہے۔

ہمارے دل دھڑک رہے تھے مگر ہم خاموش تھے۔ محبت کے ان پر اسرار لمحوں کی کہانی میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔

مجھے جاوید کے پاس بیٹھ کر کسی ان جانی قوت کا احساس ہو رہا تھا۔ اور جیسے اس کی پناہ میں آنے کے بعد مجھے کسی کا ڈر نہیں رہا تھا۔ اور میں اپنے اندر ایک عظیم طاقت محسوس کر رہی تھی۔

جاوید نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ اور پھر اس نے خدا کے سامنے وعدہ کیا کہ وہ صرف میرا ہے، ہر حال میں میرا رہے گا۔ اور اگر ہماری شادی نہ ہو سکی تب بھی ہم ایک دوسرے کو پیار کریں گے۔

لیکن میں نے تڑپ کر کہا۔

جاوید! میں کسی اور سے کیسے شادی کر سکتی ہوں۔ جب دل کسی اور کو چاہے اور شادی کسی اور سے ہو۔۔۔۔۔۔۔ تو؟

نہیں جمیلہ! فکر نہ کرو۔ میں تمہیں بہت جلد اپنے پاس لے آؤں گا۔ یہ میرا ڈاکٹری کا آخری سال ہے۔ تم دعا کیا کرو میں پاس ہو جاؤں۔

اس کے بعد ہم کچھ دیر تک اور بیٹھے۔ ہر آہٹ پر میرا دل دھڑک اٹھتا تھا، لیکن میں بیٹھی رہی۔

پھر جاوید چلا گیا اور میں باورچی خانے میں گئی تاکہ نوکر کو دیکھوں۔ وہ کھانا بنانے میں مصروف تھا۔ میں نے اس سے چند منٹ باتیں کیں اور اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اسے جاوید کی آمد کا علم ہوا ہے یا نہیں، لیکن اس کی کسی بات سے کچھ بھی ظاہر نہ ہوا اور میں مطمئن ہو گئی۔ ابھی میں وہیں کھڑی تھی کہ فرخندہ آ گئی۔ اور میں تیار ہو کر اس کے ساتھ چل دی۔

جاوید کو لاہور گئے دو ماہ ہو گئے ہیں۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ مجھے کوئی خط وغیرہ نہ لکھنا ورنہ مجھے اس کی بہت بڑی سزا ملے

گی۔لیکن اگر کوئی خاص بات ہو جائے تو پھر لڑکی بن کر لکھنا۔لیکن جاوید نے کہا تھا' تم فکر نہ کرو تمہارے گھر کے پتہ میں پر تمہیں کوئی خط نہ بھیجوں گا۔میرا خط فرخندہ تمہیں دیا کرے گی۔

اور یوں ہر چھٹے ساتویں دن فرخندہ ہمارے گھر آتی اور جاوید کا خط دے جاتی۔

میں تو پہلے سے ہی خط لکھ رکھتی تھی۔جو فرخندہ کو دے دیتی اور وہ اسے پوسٹ کر دیتی۔جاوید کے خطوں کو میں نے اپنی الماری میں کپڑوں کے نیچے بہت دور چھپا کر اور تالوں کے اندر رکھا ہوا تھا۔لیکن پھر بھی مجھے خدشہ ہی رہتا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔

جاوید اپنے خطوں میں لکھتا کہ وہ میرے لیے بہت بے قرار ہے اور وہ میرے بغیر بسر ہونے والی زندگی کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ لیکن جاوید اپنے خطوں میں یہ ضرور لکھتا کہ تم اپنی پڑھائی جاری رکھو۔اور جس طرح ہو ابا جان سے کہہ کر کالج میں داخل ہو جاؤ۔اور لاہور آ جاؤ اور ہوسٹل میں رہو۔یہاں پھر ہم دونوں ملا کریں گے۔

اور میں نے جاوید کو لکھا کہ میں ابا جان سے کہوں گی' خدا کرے کہ ایسا ہو جائے۔

میں کل سے سوچ رہی تھی کہ ایسا کون سا طریقہ اختیار کروں کہ کالج میں داخل ہو جاؤں۔اور کم از کم بی اے تو کر لوں۔خدا سے دعا مانگتی ہوں لیکن خدا کی تو جو مرضی ہے' وہی کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔لیکن نہیں۔میری توبہ!اے خدا میری توبہ۔۔۔۔۔۔۔ہم تجھ سے بد گمان ہو کر دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔تو ہی ہم سب کا پالنہار ہے۔تو میری دعا ضرور سنے گا۔تو جانتا ہے کہ مجھے پڑھنے کا کس قدر شوق ہے۔

رات ہم کھانا کھا کر بیٹھے ہی تھے کہ اچانک باہر سے بولنے کی آوازیں آئیں' جیسے کوئی ہمارے ہی گھر آ رہا ہے۔بہت سے قدموں کی آواز تھی۔ہم جلدی سے کمرے سے نکل کر باہر آئے تا کہ دیکھیں۔ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میری امی کی والدہ اور اس کی بہنیں' اس کا بھائی' بھابی اور اس کا بھانجا سارے ہمارے گھر آ رہے ہیں۔امی تو بھاگ کر آگے ہوئیں اور سب کے گلے سے چمٹ گئیں۔ابا جان بھی جلدی سے ان کے پاس گئے۔مجھے بھی ان کے پاس جانا پڑا۔اور پھر ہم سب کمرے کے اندر آ گئے۔یہ لوگ اچانک ہی آ گئے تھے اور انہوں نے کہا ہم نے بڑی مشکل سے آپ کا مکان ڈھونڈا ہے۔ہم چاہتے تھے کہ آپ کو اچانک جا کر حیران کر دیں۔

ان سب کے لیے کھانا تیار کرنا تھا۔میں جلدی سے باورچی خانے میں گئی اور ایک گھنٹے کے اندر اندر کھانا تیار کیا اور ان کے لیے

لائی۔

انہوں نے کھانا کھایا۔اس کے بعد چائے تیار کی۔وہ پی۔۔۔۔۔۔۔اور پھر کمرے وغیرہ کھول کر میں نے سب کے سونے کا انتظام کیا۔ادھر انہوں نے باتوں اور قہقہوں کے شور سے گھر کو سر پر اٹھایا ہوا تھا۔غرضیکہ رات کے دو بج گئے۔انہوں نے بتایا کہ وہ یہاں ایک مہینے تک رہیں گے۔

جب سب سو گئے تو میں بھی سونے لگی۔امی کی چھوٹی بہن سعیدہ جس کی عمر کوئی اٹھارہ سال ہوگی' میرے ہی کمرے میں میرے ساتھ پلنگ پر سوئی۔یہ ایف اے میں پڑھتی تھی۔امی کو جاوید کے ساتھ سعیدہ کی شادی کرنے کا بڑا خیال تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ جاوید سے میری شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتی تھیں۔

سعیدہ میرے ساتھ پلنگ پر لیٹتے ہی سو گئیں۔لیکن مجھے نیند کہاں آ رہی تھی۔کام کر کر کے تھک گئی تھی اور میں نے خاموشی سے اٹھ کر ٹیبل لیمپ جلایا اور کتاب نکال کر پڑھنے لگی۔اور سعیدہ کو دیکھ کر سوچنے لگی۔سعیدہ پیاری شکل وصورت کی لڑکی تھی۔بوٹا سا قد' گورا رنگ' تیکھے نقش اور بڑی چالاک اور شوخ لڑکی تھی۔بستر پر لیٹتے ہی سو گئی۔اور پھر میں نے خیال ہی خیال میں دیکھا کہ سعیدہ کی شادی جاوید سے ہو رہی ہے۔اسی مکان میں شادی ہو رہی ہے۔سعیدہ دلہن بنی اسی پلنگ پر بیٹھی ہے اور جاوید دولہا بنا داخل ہوتا ہے۔میں بھی ایک طرف کونے میں کھڑی ہوئے ہوں۔جاوید میری طرف دیکھتا ہے۔مگر میری پرواہ کئے بغیر مسکرا کر سعیدہ کا ہاتھ تھام لیتا ہے اور اسے لے کر باہر چلا جاتا ہے۔اچانک میں نے اس خیال سے منہ موڑ لیا۔نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا جو اس کو دیکھتے ہی یوں سوچنے لگی۔

مجھے کسی کے ساتھ سونے کی عادت بھی نہیں تھی۔رات بھی بیتی جا رہی تھی۔سر پتھر کی طرح بھاری اور بوجھل ہو رہا تھا۔آخرکار اٹھی اور چپکے سے بستر پر لیٹ گئی اور دیوار کی طرف کروٹ بدل کر منہ موڑ کر سو گئی۔صبح جب نیند ٹوٹی تو سعیدہ غائب تھی۔اٹھ کر دیکھا تو باہر باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی۔اور سارے گھر سے رنگ برنگی آوازیں آ رہی تھیں۔بچے شور مچا رہے تھے اور بے ہنگم قہقہے سنائی دے رہے تھے۔

مجھے تو کالج میں داخل ہونے کے لیے امی اور ابا سے بات چیت کرنی تھی لیکن یہ قافلہ کہاں سے آن ٹپکا۔ان کے ہوتے ہوئے اگر میں نے بات کی تو امی کہیں گی' میرے میکے والے آئے ہیں تو یہ گھر چھوڑنے پر تیار ہو گئی ہے۔

کمرہ چھوڑ کر باہر آئی' منہ ہاتھ دھویا اور باورچی خانے کو چل دی۔راستے میں امی کے بھانجے کو دیکھا جو باہر کھڑا دانتوں میں

مسواک دبائے زور زور سے منہ مار رہا تھا۔ گجروں کی طرح بالوں کے جھتے تھے۔ دبلا پتلا جسم' ڈھیلی سی پتلون اور قمیض پہنے تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور موٹی سی ناک تھی۔ مجھے دیکھ کر گھورنے لگا۔ میں دوپٹہ کی اوٹ کر کے دوسری طرف نکل گئی۔ یہ صاحب ایم اے اکنامکس میں تین بار فیل ہو چکے ہیں اور اب نوکری کرتے ہیں۔ امی کا بھائی بھی آیا ہوا تھا۔ امی کا بھائی بھی آیا ہوا تھا۔

ہمارے گھر میں یہ لوگ اس طرح سے پھر رہے تھے مجھے یوں لگا جیسے نرگس کے خاموش کھیت میں لاڈلی بھیڑ بکریاں گھس آئی ہیں جو ادھر ادھر منہ مارتی پھر رہی ہیں۔ اور کوئی ان کو منع نہیں کرتا۔

ان لوگوں کو آئے ہوئے آٹھ دس روز ہو گئے ہیں۔ فرخندہ سکول سے واپسی پر ایک روز آئی تھی اور جاوید کا خط دے گئی تھی۔ لیکن مجھے یہ لوگ کہاں فرصت دے رہے تھے کہ میں بھی بیٹھ کر اسے خط لکھتی۔ اور مجھے تو یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں کسی روز میری تلاشی لے کر یہ لوگ جاوید کے خط ہی نہ نکال لیں۔ کیونکہ سعیدہ نے میرے کمرے کی چند ہی چیزیں ہوں گی جنہیں ہاتھ نہ لگایا ہوگا۔ ورنہ ایک ایک کتاب دیکھ ڈالی تھی' ایک ایک چیز دیکھتی پھرتی تھی۔ میں نے چپکے سے سارے خطوط نکال کر فرخندہ کو دے دیئے کہ گھر جا کر کہیں رکھ دو' احتیاط سے تالے میں لگا کر۔ پھر جب یہ لوگ چلے جائیں گے تو میں منگا لوں گی۔

میں جب فرخندہ کو یہ پیکٹ دے رہی تھی اور الگ کھڑی اس سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی تو سعیدہ بھی آ گئی۔ سعیدہ کو پتہ ہے کہ شاید جاوید سے میری شادی ہو جائے۔ اس لیے فرخندہ کی طرف ہنس ہنس کر دیکھ رہی تھی اور اسے بڑے نخرے دکھا رہی تھی۔ فرخندہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے آدھ گھنٹہ بعد خالہ زینت بھی آ گئیں۔

خالہ زینت کے آنے کی خبر سن کر سعیدہ جلدی سے غسل خانے میں چلی گئی۔ حمام گرم تھا۔ نہا دھو کر نکلی۔ ایک خوبصورت ساڑھی باندھی۔ اسے پتہ تھا کہ خالہ زینت اور جاوید کے سامنے بھی ہونا پڑے گا۔ اس لیے وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئی تھی۔ نیا کوٹ پہنا' پینٹ کیا اور جھومتی ہوئی خالہ کے پاس گئی۔

خالہ کو اس بات کا بالکل علم تھا کہ امی کا سعیدہ کے لیے جاوید کا رشتہ مانگنے کا خیال ہے۔ انہوں نے سعیدہ کو پاس بٹھایا' باتیں کیں اور کہنے لگیں۔

میں سعیدہ کو دو سال کے بعد دیکھ رہی ہوں۔ اس وقت اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ ان دو سال میں سعیدہ تو ماشاء اللہ چشم بددور کتنی جوان اور خوبصورت ہو گئی ہے۔

امی اوران کی دوسری بہنیں مسکرادیں۔اور پھر خالہ کوانہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ یہ ایف اے میں پڑھتی ہے۔اوراس کاایم اے تک پڑھنے کاخیال ہے۔

خالہ نے خوش ہوکر کہا۔بہت خوشی کی بات ہے۔مجھے لڑکیوں میں پڑھنے کا شوق دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔میری اپنی فرخندہ کہتی ہے کہ میں ایم اے کروں گی' لیکن میں اس ڈاکٹر بنانا چاہتی ہوں۔دونوں بہن بھائی ڈاکٹر ہوں گے۔اچھا' دیکھیں ۔۔۔۔۔۔آگے جوخدا کومنظور ہو۔

سعیدہ کی امی کہنے لگیں۔سعیدہ کوبھی پڑھنے کا بے حد شوق ہے۔بس یہی کہتی ہے کہ ساری دنیا کا علم گھوٹ کر پی لوں۔کیا مجال جو اس نے باقی لڑکیوں کی طرح کبھی ناچ کود میں حصہ لیا ہو یا فضول باتوں میں وقت کھویا ہو۔یہ تو ہمارے گھر کی روشنی ہے۔سب ہی اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔محلے والیاں تعریف کرتی ہیں کہ کتنی پیاری اور نیک بچی ہے۔ماں اپنی بچی کی تعریفیں کررہی تھی۔اپنے مال کی تعریفیں کررہی تھی۔گاہک سامنے بیٹھا تھا۔دوسری بہنیں مسکرامسکرا کرداد دے رہی تھیں۔خالہ زینت دیکھ بھی رہی تھیں اور مسکرا بھی رہی تھیں اور میں چپ چاپ ایک کونے سے لگی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

ماں کوبیٹیوں اور بیٹیوں کوماؤں پر ناز ہوتا ہے۔خوش قسمت ہے سعیدہ جس کی امی اس کے پاس بیٹھی اس کی ہر برائی کونظرانداز کر کے صرف اس کی تعریفیں کررہی ہے۔

سعیدہ مسکرارہی ہے اوراس کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح سرخ ہورہا ہے۔

اے خوش قسمت سعیدہ! جی بھر کر ہنس! اور جی بھر کر خوشیاں منا' تیرے یہ عزیز' یہ چاہنے والے تیرے پاس بیٹھے ہیں اور تیرے روشن اور سنہری مستقبل کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

تواپنے دل کی ایک ایک خواہش اور ایک ایک آرزو کے سر پر سہرے باندھ سکتی ہے۔تیرے دل کی ہر تمنا پوری ہوسکتی ہے۔ تیرے قدموں میں بچھ جانے کے لیے ہزاروں آنکھیں منتظر ہیں۔

خالہ زینت پر نہ جانے ان لوگوں نے کیا جادو کردیا ہے کہ تقریباً روزانہ خالہ یہاں آتی ہیں' اور جس دن وہ نہیں آتیں تو یہ جاتی ہیں اور سعیدہ تو چند لمحوں کے لیے بھی خالہ کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔

میں ہر وقت کام کرتی رہتی ہوں۔میں نوکر کی مدد سے سارا کھانا تیار کرتی ہوں' سارا کام کرتی ہوں' اتنے لوگوں کے لیے کھانا تیار

کرنا بھی کوئی آسان تو نہیں ہوتا۔لیکن کیا مجال جو یہ ذرا سی بھی میری مدد کر جائیں۔

خالہ زینت نے دو چار بار میرا حال پوچھا اور جب انہوں نے دیکھا کہ میں پڑھنے لکھنے کی بجائے سارا سارا وقت باورچی خانے میں گزار دیتی ہوں تو وہ خاموش نہ رہیں۔اس پر امی اور دوسری بہنیں ہر وقت یہی کہتی رہی ہیں کہ جمیلہ کو تو پڑھنے کا ذرا بھی شوق نہیں ہے۔بہتیرا کہتی ہوں کہ اگرچہ یہاں کالج نہیں ہے لیکن تم پرائیویٹ ٹیوشن سے پڑھائی شروع کر دو اور پھر لاہور جا کر امتحان دے دینا۔مگر اسے پڑھنے سے زیادہ باورچی خانے کا کام کرنے کا شوق ہے۔

جب سے خالہ زینت نے دبی زبان سے میرے رشتہ کا ذکر کیا ہے جہاں تک ہو سکتا ہے' امی ہر وقت مناسب موقعہ دیکھ کر میری برائیاں کرتی رہتی ہیں۔لیکن میں کیا کر سکتی ہوں۔خالہ زینت بھی آخر ایک عورت ہے اور انہیں ایسی بہو گھر میں نہیں لانی جس کی منگنی وغیرہ چھوٹ چکی ہو اور جس کی ماں اس کی ہزار برائیاں کرتی ہو۔تبھی تو خالہ اب پہلے کی طرح چاہ سے نہیں بلاتیں اور جہاں تک میں سوچتی ہوں' امی نے ضرور وہ خط جو نامراد سلیم نے لکھے تھے' خالہ کو دکھا دیئے ہوں گے۔کیونکہ یہی تو موقعہ تھا کہ وار کر دیا جائے اور پھر یہ بھی بتایا ہو گا کہ چھ سات سال تک چچی کے ہاں رہی اور کس طرح شادی سے انکار کر دیا اور ایک فساد برپا ہوا۔

اور جب میں یہ سب کچھ سوچتی اور اس کے بعد خالہ کی کچھ بدلی ہوئی نظریں دیکھتی تو خاموشی اور دکھ سے چپ چاپ سر جھکا لیتی۔

خالہ زینت سے مجھے یہ امید نہ تھی۔لیکن میں بھی پگلی ہوں جو ایسا سوچتی ہوں۔خالہ زینت بھی آخر ایک عورت ہیں اور پھر امی کی بہن اور سہیلی ہیں۔امی کی باتوں کا بھلا یہ کیونکہ یقین نہ کریں۔

اور امی جس طرح مناسب موقعہ ڈھونڈھ کر وقتاً فوقتاً میری برائیاں کرتی رہتی ہیں اور پھر واقعی میری زندگی میں ایسے واقعات بھی ہو چکے ہیں' تو کون بدگمان نہیں ہو سکتا؟ اور خالہ تو پھر ایک عورت ہیں۔بھلا خالہ میری کیا لگتی تھی جو میں اس پر اتنا مان اور غرور کر بیٹھی تھی۔لیکن دل یہی کہتا تھا کہ خالہ کو یوں بے رخی نہیں برتنی چاہیے تھی۔اگر میرے ماضی میں چند ایک واقعات ایسے ہو گئے تھے تو خالہ کو یہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے تھا کہ اس میں میرا کتنا قصور تھا' اور میری نیت کیسی تھی۔

کیا میں واقعی ایسی بری فطرت کی لڑکی ہوں۔اگر میں حقیقت میں ایسی ہوں تو پھر تو واقعی خالہ میرے ساتھ بے رخی برت کر ٹھیک کر رہی ہیں۔لیکن اگر میں ایسی نہیں ہوں تو پھر خالہ ایسا کیوں کرتی ہیں۔

فرخندہ ابھی چھوٹی اور بھولی لڑکی ہے۔زندگی کے ان معاملوں میں وہ بھلا کیسے دخل دے سکتی ہے۔

اور رہا جاوید۔۔۔۔۔۔۔۔وہ یقیناً ان میں سے نہیں ہے۔وہ بہت اچھا اور سمجھدار ہے۔وہ مجھے جانتا ہے۔وہ کبھی ایسا نہیں ہو

سکتا۔

لیکن ۔۔۔۔۔۔۔اچانک دل میں چند وہم بھوتوں کی طرح سر اٹھاتے اور اپنی ٹیڑھی اور بھینگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہتے ۔اور اگر جاوید بھی ایسا ہوا تو۔۔۔۔۔۔۔اگر جاوید نے بھی بے رخی برتی تو۔۔۔۔۔۔۔تو میں گھبرا جاتی' پریشان ہو جاتی۔

لیکن میں کیا کر سکتی تھی۔ میں خاموش تھی اور خاموشی سے ہونے والے واقعات کو دیکھ رہی تھی۔

سعیدہ دن بہ دن خالہ کو اپنا گرویدہ بنا رہی تھی۔اچانک ایک روز مجھے پتہ چلا کہ جاوید آ گیا ہے۔مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جاوید آ گیا ہوگا۔ وہ کیسے آ سکتا ہے۔اسے ایسا کیا کام پڑ گیا کہ وہ آ گیا۔اور پھر اس نے خط میں بھی نہیں لکھا تھا۔لیکن اسے خط لکھے بھی تو پندرہ روز ہو گئے تھے۔لیکن خط لکھنے سے اسے میں نے ہی تو منع کیا تھا کہ کہیں ان لوگوں کو علم نہ ہو جائے۔

جاوید کے اچانک آ جانے سے جہاں میں حیران ہو گئی تھی' وہاں خوش بھی تھی لیکن نہ جانے کیوں میرا دل لرزتا تھا اور اچانک مجھے جاوید کا آنا برا لگا۔ جب تک یہ لوگ یہاں تھے جاوید کو نہیں آنا چاہیے تھا۔جاوید کیوں آ گیا ہے؟ اور میرے دل نے چیخ کر کہا۔ جب تک سعیدہ یہاں تھی' جاوید کیوں آیا ہے۔

اور دل کی اس چیخ کے بعد میں خاموش ہو گئی۔

جاوید کو آئے ہوئے آج پانچواں دن ہے اور اس عرصہ میں وہ صرف دو بار یہاں آیا تھا۔لیکن مجھ سے بات کرنے کا تو سوال ہی الگ رہا' میں اسے دیکھ بھی نہ سکی۔ میں صبح سے لے کر تک کام میں مشغول رہتی ہوں۔اور اگر میں کام نہ کروں تو کون کرے۔امی تو اب بالکل ہی ہلنے جلنے کے قابل نہیں رہیں۔ایک تو ویسے ہی وہ آرام پسند۔۔۔۔۔۔۔اس پر ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ اور ہر ایک کی یہی دعا ہے کہ لڑکا پیدا ہو۔

کام کرنے والا صرف ایک نوکر ہے۔وہ بھی کم بخت بدھو سا۔ جو برتن وغیرہ صاف کر سکتا ہے' مگر کھانا تیار کرنے میں مدد نہیں دے سکتا۔

بلو کی آیا ہے مگر وہ باورچی خانے کا کام تو نہیں کر سکتی۔

امی کہتی ہیں کہ لڑکیاں بیکار نہیں بیٹھا کرتیں۔ وہ گھر کا کام کرتی ہیں اور مجھے رات دن کام کرنا پڑتا ہے اور میں نہ چاہنے کے باوجود سارا دن کام کرتی رہتی ہوں۔

کہاں میں خاموش انگور کی بیلوں کے سائے تلے بیٹھ کر نظمیں پڑھنے والی لڑکی تھی اور کہاں مجھے باورچی خانے کے اندر دھوئیں میں بیٹھنا پڑتا تھا۔

اور یہ جو امی کی اتنی منت وخوشامد کرتی تھی' سارا کام کرتی تھی تو تب کہیں جا کر وہ سیدھے منہ بات کرتی تھیں۔ اور اگر میں اپنی خواہش کے مطابق یہ سارا کام چھوڑ کر اپنے کمرے میں چپ چاپ بیٹھ جاؤں تو ایک دو روز کے بعد ہی میرا کمرہ بدل جائے' میں بدل جاؤں اور میں کھلی آنکھوں سے دیکھتی رہ جاؤں کہ وہ کسی اور کے گھر کا کمرہ بن جائے جہاں میں دلہن بنی بیٹھی ہوں اور کوئی اجنبی میرا شوہر سامنے بیٹھا ہے۔

اور یہ تصور مجھے بہت پریشان کر دیتا اور میں سوچتی کہ مجھے اپنی دلہن پا کر' اپنا شکار سامنے دیکھ کر اس کا جو جی چاہے گا وہ کر سکے گا۔ وہ مجھے شادی کے پہلے روز ہی دیکھے گا۔ اور میں بھی اسے شادی کے پہلے روز ہی دیکھوں گی۔ مجھے کیا پتہ کہ وہ کیسی عادات کا مالک ہو گا۔ اس کے کیسے خیالات ہوں گے۔ کیا پتہ وہ بظاہر پڑھا لکھا ہونے کے باوجود کیسا ہو۔ انسان اندر سے کچھ اور ہوتا ہے اور اوپر سے کچھ اور ہوتا ہے۔ کیا پتہ وہ اندر سے کیا نکلے۔

ان خیالوں سے گھبرا کر میں امی کا ہر کام انجام دیا کرتی تھی۔ میں شادی سے گھبراتی تھی۔ نامراد سلیم کا واقعہ میرے دل پر گہرے گھاؤ چھوڑ گیا تھا اور میں شادی کے بغیر ساری زندگی بسر کرنا چاہتی تھی لیکن اس طرح سارا دن کام کر کر کے نہیں۔ اور جانتی تھی کہ یہاں رہی تو غلام بن کر رہوں گی۔ اپنی مرضی اور اپنی کوئی خواہش نہ ہوگی۔ لیکن اگر انہوں نے شادی کر دی' تو نہ جانے وہ کیسا ہو تو پھر بیچ کی یہی ایک راہ دکھائی دیتی تھی کہ کسی ایسے لڑکے سے شادی ہو جسے میں پسند کروں۔ جس کی عادتوں کا مجھے پہلے سے علم ہو۔ اور جسے مجھ سے محبت بھی ہو۔ اور یہ خیالات جاوید سے ملنے کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ جاوید مجھے بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ وہ مجھے تصویر دیکھتے ہی بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ اور پھر قدرت نے حالات بھی ایسے پیدا کر دیئے کہ خالہ مجھ پر مہربان ہو گئیں۔ جاوید مجھے بے انتہا چاہنے لگا اور اس گھر کے چپے چپے سے میں محبت کرنے لگی۔ اس گھر سے مانوس ہو گئی۔ ان لوگوں کو اپنا سمجھ لیا اور بہت جلد یہ محسوس کر لیا کہ میرے دکھ کے دن ختم ہو رہے ہیں اور جاوید ہمیشہ کے لیے میرا ہے۔ اب جاوید کو آئے پانچواں روز گزر رہا تھا۔ سعیدہ کو میں نے دو تین روز سے نہیں دیکھا تھا۔ امی اور اس کی بہنیں باتیں کرتیں تو ظاہر یہ کرتیں کہ سعیدہ یہیں کسی سہیلی کے ہاں گئی ہے' سیر کو گئی ہے' شاپنگ کے لیے گئی ہے لیکن مجھے پتہ تھا کہ سعیدہ کہاں گئی ہے۔ سعیدہ جاوید کے گھر گئی ہے۔ سعیدہ جاوید کے ساتھ سیریں کرتی ہے' اس کے ساتھ رہتی ہے۔ خالہ' سعیدہ پر جان نچھاور کرنے لگی تھیں۔

میں یہ سب دیکھ رہی تھی اور میرا دل غم کی گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا اور میں دن میں کئی کئی بار روتی۔

مجھے یوں لگتا جیسے خالہ نے میرے ساتھ مذاق کیا تھا۔ جاوید نے مجھے بیوقوف بنایا تھا۔ لیکن کیا پتہ جاوید نہ ہی بدلا ہو۔ اگر سعیدہ اس کے گھر جا کر رہتی ہے اور سعیدہ کو اس کی بہنیں سب اسے بنا سجا کر جاوید کے سامنے پیش کرتی ہیں تو اس میں جاوید کا کیا قصور۔ کیا پتہ جاوید مجھے ہی دل میں یاد کر رہا ہو۔ میں تو خواہ مخواہ بدگمان ہوئی جا رہی ہوں۔ یہ طوفان جو یہاں آیا ہے چند روز کے بعد گزر جائے گا ایک نہ ایک روز تو ضرور ہی گزرے گا۔ سعیدہ وغیرہ سبھی لوگ چلے جائیں گے۔ تو پھر میرا سورج طلوع ہو گا۔ مجھے صبر اور حوصلے سے سب کچھ دیکھنا چاہیے ان کے ہوتے ہوئے میں کیا کر سکتی ہوں۔ ان کے جانے کے بعد جاوید سے پوچھوں گی' رو رو کر پوچھوں گی' بہت کچھ پوچھوں گی اور اس کے سینے کے ساتھ لگ کر کہوں گی۔

جاوید! تمہیں بھی میرا کوئی خیال نہ آیا۔ تم تو میرے اپنے تھے۔ تم تو یوں نہ کرتے۔ کیا تمہیں پتہ نہیں تھا کہ میں کتنی اداس اور غمگین لڑکی ہوں۔ میں تو پہلے ہی دکھی لڑکی ہوں' تم تو میرے ساتھ یوں نہ کرتے۔

اور یہ سوچ کر میں چپ ہو جاتی کہ جاوید نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ صرف میرا ہے' ہمیشہ میرا رہے گا۔ سعیدہ کا کیا ہے چند روز کے لیے آئی ہے' طوفان کی طرح اٹھی ہے اور جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی۔ لیکن یہ محض میری خام خیالی تھی اور جان بوجھ کر حقائق پر پردے ڈال رہی تھی۔

جاوید' سعیدہ کا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنا سارا وقت گزارتا' کھلم کھلا وقت گزارتا۔ کسی کا ڈر اور خوف نہیں تھا۔ سعیدہ اپنی شوخ نگاہوں سے اس کے دل پر جادو ڈال رہی تھی۔ یہ شوخ چنچل اور خوبصورت لڑکی جاوید کو بڑے سلیقے سے اپنا بنا رہی تھی۔

سعیدہ کی ماں اور بہنیں بھی سعیدہ کی کامیابی پر خوش تھیں۔ شکار خود بخود پنجرے میں آ رہا تھا۔ جاوید سعیدہ کی طرف کھنچتا چلا آ رہا تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ میرا چہرہ اداس سے اداس تر ہوتا گیا۔

کبھی کبھی جی چاہتا کہ جاوید کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجوں اور اس سے پوچھوں کہ جاوید تم یہ سب کیا کر رہے ہو۔ مگر پھر ڈر لگتا کیا خبر اگر جاوید یہ رقعہ سب کو دکھا دے تو۔۔۔۔۔۔۔ مجھے اب کسی پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ دنیا کی ہر چیز سے میرا اعتماد اٹھتا جا رہا تھا۔

کیا پتہ جاوید جسے میں اپنا سمجھ رہی ہوں' اپنا محبوب اپنا پیارا سنگی ساتھی سمجھ رہی ہوں' وہ میرا دشمن ہی ہو۔

ایک مہینہ بیت گیا۔ جاوید آٹھ دس روز سے یہاں ہے۔ اور ابھی نہ جانے اور کتنے روز رہے گا۔

سعیدہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے۔ اس کے قہقہے سارے گھر میں گونجتے ہیں۔ اس کو کسی بات پر روکا ٹوکا نہیں جاتا۔

اس کا جو جی چاہتا ہے' وہ کرتی ہے۔ نہ اس کے آنے جانے پر پابندی ہے نہ اس کی حرکات پر پابندی ہے۔

وہ آزاد ہرنیوں کی طرح زندگی بسر کر رہی ہے۔ شاداب پھولوں کی طرح مسکراتی ہے۔

زندگی کے چند لمحوں کی جو خوشی مجھے دی تھی' وہ بھی قدرت سے دیکھی نہ گئی۔ اور وہ خوشی مجھ سے چھین کر' مجھ سے لوٹ کر سعیدہ کو دی جا رہی تھی۔

ایک طرف ساری خوشیاں جمع ہو رہی تھیں اور دوسری طرف سارے دکھ اکٹھے ہو رہے تھے۔

ہاں ٹھیک ہے' ایک ہی جگہ سب کچھ ہونا چاہیے۔ دکھی لوگوں کو خدا اور دکھ دیتا ہے اور خوش لوگوں کو خدا اور خوشی دیتا ہے۔

پتہ نہیں' خدا کی یہ کیا حکمت ہے!

کل سہ پہر کو سب کا سیر کا پروگرام بنا۔ مجھے بھی ساتھ لے جانے کے لیے سب نے اصرار کیا۔ لیکن میں نے طبیعت کی خرابی کے باعث جانے سے انکار کر دیا۔

میں کیوں جاتی؟ میرا ان لوگوں سے کیا واسطہ۔۔۔۔۔۔۔ جاوید سعیدہ سے ہنس کر باتیں کرے گا تو میں کیسے دیکھ سکوں گی۔

میں اپنا اداس اور مرجھایا ہوا چہرہ لے کر کبھی بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔ سب نے اصرار کیا۔ سعیدہ نے بھی کہا۔ جاوید کے سامنے تو خیر میں ہوتی ہی نہ تھی۔

سعیدہ جاوید کے سامنے اس لیے ہو جاتی تھی کہ کہا جاتا تھا کہ سعیدہ کے والدین نے اس کا پردہ ختم کر دیا ہے اور وہ گھر والوں کی اجازت سے اس کے سامنے ہوتی ہے لیکن میرے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ میری امی تو مجھے پردہ اتارنے کی اجازت دیتی ہیں مگر ابا جان نہیں مانتے۔

اور جب ابا جان کوئی بات نہ مانیں تو وہ بات نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میں جاوید کے سامنے بہت کم ہو سکتی ہوں۔ مثلاً سب لوگوں کے درمیان تو اس کے سامنے ہو سکتی ہوں' مگر اکیلے میں نہیں۔ فرخندہ بھی آئی ہوئی تھی۔ اس نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ بھیا کہتے تھے' جمیلہ باجی! آج کل کہاں ہوتی ہیں۔ کیا باورچی خانے کا کام کرنے کا اسے اتنا ہی شوق ہے کہ وہ سیر کو بھی نہیں جاتی۔ اس سے کہنا کہ آج ضرور چلے۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ جاوید! مجھے گھر کا سارا سارا دن کام کرنے کا شوق ہے اور یہ شوق مجھے گھر سے باہر کہیں بھی نہیں جانے دیتا۔ تم

دیکھتے ہیں کہ گھر کے اس شوق کے کارن میری صحت اچھی ہوتی جا رہی ہے۔ اور میں کتنی مسرور پھرتی ہوں۔ اور سیر کے نام سے کتنی زرد پڑ جاتی ہوں۔ لیکن تم کیا جان سکو گے۔

اور میں نے فرخندہ سے کہا۔ میں نہ جا سکوں گی' گھر کا کام کون کرے گا۔

میں اب کیوں جاوید کو اپنا چہرہ دکھاؤں۔ میں اب اس کے سامنے کیوں جاؤں۔ اب میں کبھی اس کے سامنے نہیں آؤں گی۔ اگر جاوید نے مجھے یوں نظر انداز کر دیا ہے جیسے کوئی سلیٹ پر لکھی ہوئی عبارت مٹا دیتا ہے تو میں کیوں اس کے سامنے جاؤں۔ میں رو رو کر اس سے کبھی نہ کہوں گی' کہ جاوید یہ تم کیا کر رہے ہو تم سارا دن سعیدہ کے ساتھ گزارتے ہو' تم کیا محض اس لیے چھٹیاں کر کے آئے ہو' یہ تم کیا کر رہے ہو' کیا تمہارے لیے ایسا کرنا مناسب ہے۔ خدا کے لیے واپس پلٹ جاؤ جاوید' مجھ اکیلی کو چھوڑ کر نہ جاؤ۔ سعیدہ کو اکیلا چھوڑ دو گے تو وہ پھر بھی اکیلی نہ ہو گی۔ اس کے بہن بھائی اور والدین ہیں۔ وہ مسرور دل کی مالک ہے' غم اسے چھو کر بھی نہیں گیا۔

لیکن مجھے نہ چھوڑو اکیلے' ورنہ میں مر جاؤں گی۔ لیکن میں جاوید سے یہ بات کیوں کہوں۔ اگر اس کے دل میں اپنے آپ میرا خیال نہیں ہے تو میں کیوں محبت کے واسطے دے دے کر اسے اپنا بناؤں۔

جاوید اگر جاتا ہے تو چلا جائے' بیشک چلا جائے۔ میں اسے کبھی نہ روکوں گی۔ میں اپنی زندگی اپنے اس چھوٹے سے کمرے میں بند رہ کر گزاروں گی اور میں نے سب سے سختی کے ساتھ کہہ دیا کہ نہیں جاؤں گی۔ امی کی بڑی بہن کہنے لگیں۔

شاید جمیلہ کو ہمارا یہاں آنا برا لگا ہے۔ جب سے آئے ہیں اس نے کبھی ہنس کر بات تک نہیں کی۔ اس کی امی بھی کہنے لگیں میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ جمیلہ ہم سے کس طرح کھنچی کھنچی رہتی ہے۔ لیکن میں خاموش رہی۔ میں نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اور سارے لوگ سیر کو چل دیئے۔ ان کے جانے کے بعد ابا جان آ گئے۔ امی جان نے ان سے شکایت کر دی کہ ایک ایک نے اس لڑکی کی منتیں کی ہیں کہ تم بھی سیر کو چلو مگر یہ نہیں گئی بلکہ یہ کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ سیر کو نہ جاؤں گی۔

کیا یہ بری بات نہیں ہے۔ وہ کیا خیال کرتے ہوں گے۔ بلکہ بڑی آپا نے تو کہہ بھی دیا کہ جمیلہ کو ہمارا آنا برا لگا ہے' تبھی جب سے ہم آئے ہیں کبھی ہم سے ہنس کر اس نے بات تک نہیں کی۔

ابا جان یہ سن کر چپ ہو گئے نہ جانے کیوں چپ ہو گئے۔

آج فرخندہ آئی تو اس نے ایک رقعہ لا کر دیا۔ کاغذ کا چھوٹا سا پرزہ تھا' لکھا تھا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو۔۔۔۔۔۔۔مگر کیوں؟

جواب ضرور دینا

تمہارا۔۔۔۔۔۔۔!''

جاوید نے نہ اوپر میرا نام لکھا تھا اور نہ نیچے اپنا نام لکھا تھا اور لکھائی بھی کچھ بدلی ہوئی تھی۔ میں باورچی خانے میں ہی بیٹھی تھی۔ جب فرخندہ یہ رقعہ لے کر آئی' میں نے رقعہ پڑھ کر خاموشی سے اسے آگ کی نذر کر دیا۔ فرخندہ حیران ہو کر میرا منہ دیکھنے لگی اور کہنے لگی۔

''باجی! جواب دو' میں بھیا سے جا کر کیا کہوں؟''

میں نے کہا۔ ''فرخندہ! یہ رقعہ کسی اور نے لکھا ہے' اس لیے میں نے جلا دیا ہے۔ جب تمہارے بھیا لکھیں گے تو جواب دے دوں گی۔''

لیکن فرخندہ کہنے لگی۔ ''یہ تو بھیا ہی نے لکھا تھا۔''

لیکن نیچے نام تو نہیں لکھا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔

فرخندہ بولی۔ بھیا کہتے تھے' کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔

لیکن کیا سعیدہ کے ساتھ بھیا کو جاتے ہوئے کوئی نہیں دیکھتا۔ تمہارے بھیا کو ڈر ہو گا نا کہ کہیں سعیدہ یہ رقعہ نہ دیکھ لے تو بھیا سے کہہ دینا کہ میں ایسی ذلیل نہیں ہوں۔ ان کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سعیدہ کو کیوں بتاؤں۔

اور پھر ایک دم میرا دل بھر آیا۔ اور میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے رونا شروع کر دیا۔ فرخندہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اور پھر میں نے فرخندہ سے کہا۔

فرخندہ! پہلے تم مجھے پیار کرتی تھیں' تمہاری امی مجھ سے پیار کرتی تھیں' جاوید مجھ سے پیار کرتا تھا' لیکن اب۔۔۔۔۔۔۔اب تم سب لوگ سعیدہ کو پیار کرتے ہو۔ اب وہ تم سب لوگوں کو اچھی لگتی ہے۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کیا سعیدہ بھی کسی اور کے آنے پر رد کر دی جائے گی یا صرف مجھی کو رد کیا گیا ہے۔ کیا مجھ سے پہلے بھی تم لوگ کسی اور کو پیار کرتے تھے۔

فرخندہ! مجھے بتاؤ' کیا میں اب تم کو اچھی نہیں لگتی۔

لیکن فرخندہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور وہ چپکے سے اٹھ کر چلی گئی۔

آج جاوید نے ہم سب لوگوں کو اپنے گھر دعوت پر بلایا۔ امی نے مجھ سے بھی کہا' مگر میں وہاں کیا کرنے جاتی۔

سبھی چلے گئے۔ میں کھڑکی میں کھڑی ان کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور پھر وہیں پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئی اور خاموشی سے سویٹر بننے لگی۔ تین مہینوں سے سویٹر شروع کیا ہوا ہے مگر وقت ہی نہیں ملتا کہ ختم کروں۔

عورتوں کو ہمارے یہاں چھوڑ کر امی کے بھائی وغیرہ جا چکے ہیں اب جب یہ خط لکھیں گی وہ ان کو لینے آئیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد خالہ کا نوکر آیا کہ بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں۔ ''جمیلہ کیوں نہیں آئی؟''

امی کہنے لگیں۔ میں نے کوئی اسے باندھ کر رکھا ہے۔ اور اگر وہ خود نہ جانا چاہے تو کیا میں اسے زبردستی بھیج سکتی ہوں؟ وہاں ادھر اپنے کمرے میں بیٹھی ہے جا کر اس سے کہہ دو اگر وہ جانے کو تیار ہو تو لے جاؤ۔ اور جب نوکر نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے اصرار سے کہا تھا میں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ میں نے کاسنی رنگ کی ساڑھی باندھی اپنا سرخ کوٹ پہنا اور تیار ہو کر اس کے ساتھ چل دی۔ اگر میں اچھے کپڑے پہن کر نہ جاتی تو امی کہتیں کہ تم ہماری بے عزتی کراتی ہو۔

وہاں خالہ ملیں' فرخندہ ملی' ان کی ایک دو اور بھی ملنے والیاں آئی ہوئی تھیں۔ میں بھی ڈرائنگ روم میں وہاں جا کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد خالہ نے مجھے بلایا اور کہنے لگیں۔۔۔۔۔۔ کیا ہم سے ناراض ہو جمیلہ بیٹی؟

نہیں تو خالہ جان!

پھر تم کھنچی کھنچی اور اداس کیوں رہتی ہو؟ تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے۔

جی نہیں خالہ جان' اچھی ہوں۔

اور کسی نے خالہ کو آواز دی اور وہ ادھر چل دیں۔ فرخندہ مجھے ساتھ لے کر باہر آ گئی۔

رات ہو رہی تھی۔ اور آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ رات کالی اور سیاہ تھی۔ میں باہر باغیچے میں آ کر کوٹھی کو دیکھنے لگی۔ ساری کوٹھی روشنی اور خوشبو میں تیر رہی تھی۔ اور اندر سے قہقہوں کی آواز آ رہی تھی۔ جاوید کو میں نے ابھی تک نہ دیکھا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا تو جاوید فرخندہ کے ساتھ ادھر ہی آ رہا تھا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں نے آہستہ سے پیچھے کی

طرف مڑنا شروع کر دیا اور ایک درخت کے نیچے چھپ گئی۔ دونوں نے مجھے ڈھونڈنا شروع کیا۔ ادھر ادھر۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر جاوید نے ٹارچ کی روشنی ڈال کر دیکھا۔

میں ایک درخت کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔

فرخندہ چلی گئی۔ جاوید میرے پاس آ گیا۔ اور میرا چہرہ دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر میری آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" میں نے خشک آواز میں کہا۔

"کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔۔۔تم کون ہو۔"

"اتنی جلدی بھول گئیں؟"

"میں یا تم؟"

"مجھ سے خفا ہو؟"

"میں کیوں خفا ہونے لگی۔"

"اتنا عرصہ کہاں رہیں؟"

"میں آپ دونوں کے راستے میں حائل نہ ہونا چاہتی تھی۔"

"ہم دونوں کون؟"

"اتنے معصوم نہ بنو۔"

اور جاوید نے ہنس کر مجھے سختی سے دونوں ہاتھوں سے گرفت میں لے لیا اور کہا۔

"تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اب بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔"

میں نے سختی سے اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے کہا۔ "جھوٹ نہ بولو جاوید"

"تم تو بہت ناراض معلوم ہوتی ہو۔"

میں خاموش ہو گئی۔ اچانک میرا دل بھر آیا۔ اور میں ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جاوید بھی خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے آنسو خشک کرتے ہوئے اس سے کہا۔ ''جاوید! تم اندر جاؤ' مجھے چھوڑ دو۔ سعیدہ تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ اگر وہ تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ادھر آ گئی تو میرے لیے یہ بہت بری بات ہو گی۔''

''وہ مجھے نہیں ڈھونڈ سکتی۔''

''ہاں ٹھیک ہے' جسے تم ڈھونڈو' وہ تمہیں کیوں ڈھونڈے؟''

''کیا اب تم مجھ سے نہ بولو گی؟''

''میرے بولنے اور نہ بولنے کا آپ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ آپ کی دنیا آباد اور رنگین ہے۔ آپ کو مجھ سے کیا؟''

''نہیں جمیلہ! یہ بات نہیں' تم نہیں سمجھتیں۔ اگر میں اس کے ساتھ سیر وغیرہ کو آتا جاتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے محبت بھی کرتا ہوں۔''

''پھر اس کا کیا مطلب ہے؟''

''مطلب کا تو کوئی بھی واسطہ نہیں ہے۔'' جاوید کہنے لگا۔ ''اصل میں وہ خود ہی میرے پیچھے پیچھے آتی ہے۔''

''ٹھیک ہے جاوید' تمہاری ہر بات ٹھیک ہے۔ لیکن اب تم مجھے جانے دو۔''

''یوں نہیں جانے دوں گا۔''

اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ اس کے بازوؤں کی گرفت اور مضبوط ہو گئی اور میرا سانس رکنے لگا۔ میں نے اس کو پیچھے ہٹانے کی بہت کوشش کی مگر میں اسے نہ ہٹا سکی۔ اس کے بعد اس نے انتہائی سرگوشی میں خوابناک بھاری آواز میں کہا۔

جمیلہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کروں گا۔

لیکن مجھ میں بولنے کی ہمت نہ تھی۔ میں چپ اس کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔

رات ہمارے سروں پر چھائی ہوئی تھی اور درختوں میں ہوائیں سنسنا رہی تھیں اور سردی بڑھتی جا رہی تھی۔

میں نے انتہائی مدھم آواز میں اسے کہا۔ چلو اب اندر چلیں۔

لیکن بتاؤ کہ اب مجھ سے خفا تو نہیں ہو۔

یہ میں نہیں بتاؤں گی۔

پھر تم خفا ہو۔

نہیں تو۔۔۔۔۔۔۔ ہے ہی کون جس سے خفا ہونا ہے۔

اچھا۔۔۔۔۔۔۔آج رات تم یہاں رہو گی؟

نہیں۔۔۔۔۔۔۔میں نہیں' سعیدہ رہے گی۔

تم چلی جاؤ گی؟

ہاں!

پر کب ملو گی؟

مل کر کیا کرنا ہے؟

تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

اب سعیدہ سے باتیں کرو۔

جمیلہ۔۔۔۔۔۔۔!اس نے سختی سے کہا۔سعیدہ کا ذکر نہ کرو۔یہ بتاؤ کہ کیا تم کل ملو گی۔تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔

لیکن کہاں ملوں گی؟

کسی نہ کسی طرح ملنے آ جانا۔

گھر سے کسی طرح بھی نہیں آ سکتی۔

تو آج یہاں رہ لو۔

امی اور ابا خفا ہوں گے۔

تم بزدل لڑکی ہو۔ہر وقت امی اور ابا کا ذکر کرتی رہتی ہو۔اسی لیے سعیدہ مجھے پسند ہے کہ وہ بہادر لڑکی ہے۔

میں چپ ہو گئی۔

بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔آج رات رہو گی؟

ہاں رہوں گی۔

سعیدہ آج چلی جائے گی۔پھر رات میں تم سے باتیں کروں گا۔

اتنا کہہ کر جاوید جانے لگا اور کہا۔ میں اب چلتا ہوں لیکن وعدہ کرو جمیلہ کہ تم ضرور رہو گی۔

میں خاموش رہی اور جاوید چلا گیا۔

جاوید کے جانے کے بعد میں کتنی ہی دیر تک وہیں کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ رات کی پر اسرار اور سرد ہوائیں چل رہی تھیں اور آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔

اور میں اپنی زندگی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ اس زندگی کا کیا بنے گا۔ پھر بوجھل قدم اٹھاتی کوٹھی کے اندر داخل ہوئی۔ مہمانوں کے لیے کھانا چنا جا چکا تھا۔ ہم سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ کھانے کے درمیان بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ ہنسی' مذاق' قہقہے ۔۔۔۔۔۔ سعیدہ سب سے زیادہ چہک رہی تھی اور جاوید بڑھ چڑھ کر اس کی باتوں میں حصہ لے رہا تھا۔ میں میز کے کونے کی طرف بیٹھی تھی اور یہ دونوں بیچ میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ کھانے کے بعد ہم سب جانے لگے۔ اب میں نے سوچا کہ یہاں رہنے کے متعلق کیسے کہوں۔

ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک سعیدہ کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ سب لوگ گھبرا گئے۔ اس نے تو چیخوں سے آسمان سر پر اٹھایا۔ خالہ بھی بہت پریشان ہوئیں۔

جاوید نے دوائی پلائی۔ بستر پر لٹایا اور نبض دیکھی اور پھر پاس بیٹھ گیا۔ گرم پانی کی بوتل سے سینک کی گئی۔ ہر آدھ گھنٹے کے بعد دوائی پلائی۔ دو انجکشن لگائے۔

اتنا کچھ ہوا' تب کہیں جا کر اس کا درد کم ہوا۔ اب سعیدہ کیسے جا سکتی تھی۔

میں نے کہا۔ خالہ! میں سعیدہ کی تیمارداری کے لیے یہاں رہوں گی۔ لیکن سعیدہ کی آپا اور امی کہنے لگیں۔ بیٹی جمیلہ! ہم دونوں یہاں رہیں گے' تم چلی جاؤ۔ تمہاری ماں اکیلی ہو گی اور وہ راہ دیکھ رہی ہو گی۔ تم جا کر سارا حال بتا دینا اور کہہ دینا کہ اب سعیدہ کو آرام ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔

''بہت اچھا'' کہہ کر میں نے جانے کی تیاری شروع کر دی۔ جاوید نے میری طرف دیکھا۔

لیکن میں کیسے رہ سکتی تھی؟ اور پھر کیوں رہتی؟ جاوید دونوں کشتیوں میں سوار ہونا چاہتا تھا یا شاید وہ محض رسمی طور پر مجھ سے معذرت چاہ رہا تھا۔ ورنہ اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو وہ ہرگز گوارا نہ کرتا کہ کہیں مجھے بدگمانی ہو جائے اور سعیدہ سے یوں تعلقات نہ بڑھاتا۔

میں نوکر کے ساتھ اپنے گھر آ گئی۔ گھر آن کر میں نے امی کو بتایا لیکن یہ تسلی بھی دے دی کہ وہ اب ٹھیک ہے۔ اور پھر سونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور سونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بستر میں پڑی رہی۔ لیکن نیند آنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی اور "Best For Life" ناول نکال کر پڑھنے لگی۔ اور پھر نہ جانے کب سو گئی۔

سعیدہ دو دن کے بعد گھر واپس آ گئی ہے۔ ان کو یہاں آئے ڈیڑھ ماہ ہو گیا ہے۔

کل خالہ زینت آئی تھیں اور سب سر جوڑ کر بہت دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ نہ جانے کیا کیا کچھ کہتی رہیں۔ میں باہر باغیچے میں دھوپ میں کتنی ہی دیر لیٹی نیلے آسمان کو تکتی رہی۔

رات ابا جان سے باتیں ہوئیں۔ گھر خط ڈالا گیا اور خالہ کو دوسرے دن امی نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔

دوسرے دن بھی تیاری کرنے لگے۔ سعیدہ نے سرخ بنارسی ساڑھی باندھی۔ امی کی والدہ اور بہنوں نے مل کر بہت سے کھانے تیار کئے اور۔۔۔۔۔۔

شام کو جاوید' خالہ' فرخندہ' فرخندہ کی سہیلی' خالو جان اور فرخندہ کی نانی اماں آن پہنچیں۔

سعیدہ کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی گئی اور خالہ نے اسے مبارکباد دی۔

ان لوگوں نے مجھ سے آخری وقت تک سعیدہ کی منگنی کا حال چھپایا۔ اور جاوید۔۔۔۔۔۔ اس نے میری رتی بھر پروا کئے بغیر میرے سامنے سعیدہ سے منگنی کر لی۔

اس منگنی میں امی نے مجھے بھی نئے کپڑے پہننے کو کہا۔

لیکن میں نے کہا۔ امی! مجھے بہت سے کام کرنے ہیں' مجھے مہمانوں کو کھانا کھلانا ہے۔ میں کیسے کپڑے پہن لوں؟

اور میں سب کے درمیان ہنستی پھرتی تھی کہ کہیں یہ لوگ مجھ پر کوئی الزام نہ لگا دیں۔ ان لوگوں نے بھی جاوید کو انگوٹھی پہنائی' رومال دیا۔ جب یہ جانے لگے اور جاوید ڈیوڑھی میں آیا تو اس وقت کوئی نہ تھا۔ ڈیوڑھی میں اندھیرا ہو رہا تھا۔ میں ساتھ کے کمرے میں سے نکل کر آئی تو اسے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ جاوید نے میری طرف دیکھا۔ میں پاس سے گزرنے لگی تو جاوید دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

میرا چہرہ ایک دم اتر گیا۔ میرا دل ویران ہو گیا۔

"منگنی مبارک ہو جاوید صاحب!"

جاوید کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔ یہ کہہ کر میں تیزی سے باہر نکل آئی اور جاوید کی آواز دور تک میرا تعاقب کرتی رہی۔ "جمیلہ! ایک لمحہ کے لیے ٹھہرو‘ میری بات تو سن لو۔"

تمہاری بات سن لوں۔۔۔۔۔۔۔ہاں ہاں‘ ضرور سنوں گی۔ اب کہنے کے لیے تمہارے پاس کیا ہے جاوید؟ اب تم اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے ہو؟

اور میں سیدھی اپنے کمرے میں آئی۔ زور سے دروازہ بند کیا اور بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دو گھنٹے تک مسلسل روتی رہی۔ جی چاہتا تھا خودکشی کر لوں۔ یوں لگتا تھا جیسے جاوید نے میرا مذاق اڑایا ہے۔ ہر شخص نے میرا مذاق اڑایا ہے۔ ساتھ کے کمروں سے ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور مجھے یوں لگتا تھا جیسے یہ لوگ میری شکست پر دل کھول کر ہنس رہے ہیں۔

اے ظالم لوگو! ہنسو اور جی بھر کر ہنسو۔ میری محبت کی لاش کو گدھوں کی طرح نوچو اور اس پر صندل کا عرق چھڑکنے کی بجائے اسے بے شک جوتیوں کا ہار پہناؤ۔ تمہارے شہروں میں محبت کا یہی حال ہوتا ہے۔ خوب خوشی مناؤ۔ آج کی رات جی بھر کر خوشی مناؤ۔ اور تم بھی جاوید خوب ہنس رہے ہو گے‘ خوش ہو رہے ہو گے۔

اے میرے آنسوؤ! تم تو تھم جاؤ‘ رک جاؤ۔

اے تاریک رات! اے آسمان پر چمکنے والے ستارو! بتاؤ میری صبح کب ہو گی؟ روشنی کب اپنا چہرہ دکھائے گی؟

اے میری بدنصیب محبت! سو جا‘ اپنی آنکھیں بند کر لے۔ ابھی تو زندگی کی بہت سی راتیں یونہی بسر کرنی ہیں۔ ابھی تو ہزاروں ویرانوں کو طے کرنا ہے۔

ابھی سو جا‘ سو جا۔۔۔۔۔۔۔میری بدنصیب محبت‘ سو جا!

سعیدہ کی امی وغیرہ سب کو چلے جانا تھا۔ یہ لوگ میرا امن اور چین لوٹنے آئے تھے۔ لوٹ کر چلے ہی جاتے مگر امی کی وجہ سے نہ جا سکے۔ رات امی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے یعنی میرا بھائی پیدا ہوا ہے۔ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو نہ جانے میں کتنی خوش ہوتی۔ مگر زندگی کی ہر خوشی مرجھا چکی ہے۔ جاوید بھی رات آیا تھا۔ جب تک وہ ادھر رہا میں باورچی خانے سے باہر نہ نکلی۔ خاموش سارا کام کرتی رہی۔ سعیدہ اس کے سامنے بیٹھی اسے ناز و ادا سے دیکھتی رہی‘ مسکراتی رہی۔ اور جب تک وہ یہاں رہا سعیدہ چند لمحوں کے لیے بھی اٹھ کر

ادھر سے ادھر نہ گئی۔ اسے دروازے تک چھوڑنے گئی۔ اور مجھے دور سے ان کے قہقہوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ اس کے بعد سعیدہ بھاگتی ہوئی مزے سے اندر آئی اور مچل کر ناز سے امی کے پاس بیٹھ گئی اور ننھے کو گود میں لے کر اسے پیار کرنے لگی۔

ابا جان آئے۔ وہ بیٹے کے پیدا ہونے پر اس قدر خوش ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ مجھ سے بھی بہت پیار سے باتیں کرتے رہے۔

نہ جانے کیوں۔۔۔۔۔۔۔ جب ابا جان پیار سے بات کرتے ہیں تو مجھے رونا آ جاتا ہے اور میرا دل اداس ہو جاتا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ ابا جی مجھ سے پیار سے بول سکتے ہیں۔ نہیں' ابا کو مجھ سے پیار سے نہیں بولنا چاہیے۔ ابا کو تو بس مجھ سے صرف سختی سے ہی بولنا چاہیے۔ اگر وہ اسی طرح پیار سے بولتے رہے تو میں رو رو کر پاگل ہو جاؤں گی۔ زندگی کے چند لمحوں کے لیے بہار آئی تھی مگر اپنے پیچھے خزاں کو چھوڑ کر چلی گئی۔ ایسی خزاں جو زندگی بھر میرا ساتھ نہ چھوڑے گی۔

جاوید! تم نے میرا ذرا سا بھی خیال نہ کیا۔ یقین نہیں آتا کہ تم ایسے بے وفا ہو گئے ہو۔

کاش! جاوید۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں خیال آ جاتا' ذرا سا ہی خیال آ جاتا کہ تم نے مجھ سے خدا کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ تم ہمیشہ کے لیے میرے ہو۔

رات سے سخت بخار ہے۔ صبح بستر سے ہلا تک نہیں جا رہا تھا۔ ابا کو پتہ چلا وہ دیکھنے آئے' پیار سے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے۔

"بیٹی! کوئی فکر نہ کرو' بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

واہ پگلی! اتنی سی بات پر رو رہی ہو۔ پگلی بیٹی! اتنی بڑی ہو گئی اور دیکھو بچوں کی طرح رو رہی ہے۔ مت رو میری بیٹی! آج سارا دن آرام کرنا' شام تک بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔

میرے ابا! تمہیں کیا پتہ کہ تمہاری بیٹی کے دل پر کیسے کیسے زخم لگے ہیں جو اب کبھی مندمل نہیں ہوں گے۔ ابا تمہیں کیا پتہ کہ تمہاری بیٹی کی دنیا بسنے سے پہلے اجڑ گئی ہے۔ اس کے چمن میں اب کبھی بہار نہ آئے گی' کوئی پھول نہ کھلے گا۔ اس آسمان پر اب کوئی سورج' کوئی چاند طلوع نہ ہوگا۔

پیارے ابا! اپنی بیٹی کی بدقسمتی پر جی بھر کر آنسو بہالو۔ یقین کرو ابا تمہاری بیٹی کی قسمت میں اب کوئی خوشی نہیں ہے۔

لیکن میں ابا سے کچھ بھی نہ کہہ سکی اور پھیکی سی ہنسی ہنس کر کروٹ بدل لی۔ اور ابا چلے گئے۔ رات تک بخار نہ اترا۔ امی بیٹے کے پیدا ہونے پر بہت خوش ہیں۔ سارے گھر والے خوش ہیں۔ آج باورچی خانے کا کام امی کی آپا کرتی رہیں۔ سعیدہ آج بھی جاوید کے ہاں رہی۔ شام کو جاوید اسے چھوڑنے آیا۔ میرے بخار کا پتہ چلا۔ ابا کہنے لگے۔ بیٹا! تم ڈاکٹر ہو ذرا دیکھو تو میری بیٹی کو بخار ہو گیا ہے۔

یا اللہ! یہ ابا آج اس قدر آزاد خیال کیسے ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔ کہ جاوید سے خود کہہ رہے ہیں کہ جمیلہ بیٹی کو دیکھو۔ یا اللہ یہ ابا کے دل میں میرے لیے محبت کہاں سے پیدا ہو گئی؟

یہ میرا کتنا خوش قسمت بھائی دنیا میں آیا ہے کہ اس کے آنے پر ہر ایک کا دل پیار سے بھر گیا ہے۔ جاوید مجھے دیکھنے کے لیے ابا کے ساتھ میرے کمرے میں آیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''بیٹی! جاوید بھیا آئے ہیں۔ لو ان کو اپنا حال بتاؤ کہ بخار کیسے ہو گیا۔''

جاوید۔۔۔۔۔۔۔ اور میرا حال پوچھنے کے لیے آئے۔ نہیں نہیں' ابا! آپ اسے زبردستی لے آئے ہیں۔ میں اسے اپنا حال کبھی نہ بتاؤں گی۔ چلے جاؤ جاوید' چلے جاؤ۔ میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔

میں نے ان لوگوں کو دیکھ کر جلدی سے لحاف منہ پر کر لیا۔ اور ابا جان سے بولی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں' میں ان کو نہیں دکھاؤں گی۔''

''ارے کیوں؟''

''میں نہیں دکھاؤں گی۔''

ابا ہنس کر کہنے لگے۔ ''پگلی لڑکی! بھلا بھیا سے کیوں شرماتی ہے؟ اچھا چہرے پر سے لحاف مت ہٹاؤ۔ ہاتھ باہر نکال کر نبض دکھا دو۔''

ابا کا حکم ماننا ضروری تھا۔

میں نے لحاف سے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا۔ جاوید نے پکڑ کر نبض دیکھی۔ میرا ہاتھ سرد تھا اور لرز رہا تھا۔ اور جب جاوید نے ہاتھ پکڑا تو میری عجیب کیفیت ہو گئی۔

اس کے بعد جاوید ابا کو اپنے ساتھ ہی لے گیا کہ نسخہ وغیرہ لکھ کر گھر جا کر دوائی بھیج دوں گا۔ بے وفا جاوید! جسے اب میرے سامنے آتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی۔ مرد کس قدر ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ اسے ذرا بھی خیال نہیں آیا کہ میں اس کے سامنے کیسے جاؤں۔

مجھے بخار چڑھے آج بارھواں دن ہے۔ اتنے زور کا بخار چڑھتا ہے کہ جسم کا انگ انگ دکھنے لگتا ہے۔ سعیدہ اس کی می اور بہنیں چلی گئی ہیں کیونکہ ان کے والد صاحب لینے آئے تھے۔

امی نے کام کے لیے ایک نوکرانی رکھ لی ہے۔ میرا بخار کسی وقت بھی نہیں ٹوٹتا۔ بہت کمزور ہو گئی ہوں۔ تیمارداری کے لیے کوئی بھی نہیں ہے۔

طوفان آن کر گزر چکا ہے۔ مجھے نڈھال کر کے چھوڑ گیا ہے۔ جاوید اس بار امتحان نہیں دے گا۔ اس لیے کالج چھوڑ کر آ گیا ہے۔ کہتا ہے اب پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔

دونوں وقت اکیلا انجکشن لگانے آتا ہے۔ کہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ جمیلہ! یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔ سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہو۔ بخار کو دور کرو اور خوش رہا کرو۔ یقین کرو میں تم سے اب بھی پیار کرتا ہوں۔ میری منگنی اگر سعیدہ سے ہوئی ہے تو وہ صرف امی کی وجہ سے۔

خدا کے لیے جاوید صاحب! یہاں آن کر آپ ایسی باتیں نہ کیا کریں، آپ ڈاکٹر کی حیثیت سے آتے ہیں، آپ ایک غیر مرد ہیں۔ آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ آپ مجھ سے اس طرح باتیں کریں۔ میں نے کب آپ سے پوچھا ہے کہ آپ کی سعیدہ سے کیسے منگنی ہو گئی ہے۔

جب میں یہ کہتی ہوں تو جاوید مجھے تکنے لگتا ہے، خاموش ہو جاتا ہے اور انجکشن لگا کر چلا جاتا ہے۔ اور جب وہ چلا جاتا ہے تو میں بستر میں منہ چھپا کر بہت روتی ہوں۔ خالہ بھی دو تین بار میری عیادت کو آ چکی ہیں۔

صبح پھر جاوید انجکشن لگانے آیا تو کہنے لگا۔

جمیلہ! تم جو مجھ سے اس بری طرح پیش آتی ہو تو اس میں آخر میرا گناہ کیا ہے؟

جاوید صاحب! آپ بہت معصوم اور بھولے بن رہے ہیں۔ گناہ آپ کا نہیں میرا ہے۔

جمیلہ! ایک بات تم سے پوچھوں۔۔۔۔۔۔۔ تم برا تو نہ مانو گی؟

نہیں، میں کیوں برا ماننے لگی۔ اب برا ماننے کو رہا ہی کیا ہے۔

تو سنو۔۔۔۔۔۔۔ یہ سلیم صاحب کون ہیں؟ اور تمہارے ان سے کیسے تعلقات رہ چکے ہیں؟

جاوید کے منہ سے سلیم کا نام سن کر میں تڑپ سی گئی۔ اور میں نے کانپتے ہوئے کہا۔

''یہ سلیم۔۔۔۔۔۔۔ یہ سلیم وہی ہے نا' جس سے میری منگنی ہو چکی تھی۔ میری چچی کا لڑکا ہے۔ لیکن بات کیا ہے؟ بھلا میرے اس سے تعلقات کیوں ہونے لگے؟ آپ کو جاوید صاحب یوں نہیں کہنا چاہیے تھا۔''

''معاف کرنا جمیلہ! میں آج پوچھنے پر مجبور ہو ہی گیا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ تو یہ منگنی کس وجہ سے ٹوٹی؟''

''سلیم بہت آوارہ لڑکا تھا۔ آتے جاتے تنگ کرتا تھا اور مجھے یہ بات پسند نہ تھی۔ اس لیے میں نے ابا سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہاں شادی نہ کروں گی۔ بس یہی بات تھی۔''

''تم ان کے یہاں کتنے سال تک رہیں؟''

''میں سات سال تک چچی کے پاس رہی۔ لیکن جاوید صاحب آپ کو کس نے یہ سب کچھ بتایا؟''

''مجھے امی نے بتایا تھا اور انہیں تمہاری امی نے بتایا تھا۔ اور جمیلہ! مجھے تو یقین نہیں آتا لیکن تمہاری امی نے بتایا تھا کہ تمہارے اور اس کے درمیان شادی شدہ لوگوں جیسے تعلقات بھی رہ چکے ہیں۔''

''یہ سب کچھ جھوٹ ہے جاوید صاحب! کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں ایسی لڑکی ہو سکتی ہوں؟ اس نے کئی بار ایسی کوشش کی تھی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا تھا۔''

''جمیلہ! آج میں تمہیں یہ حقیقت بتاتا ہوں اور یہی وہ باتیں تھیں جو میں تمہیں اس رات بھی بتانا چاہتا تھا جب تم ہمارے گھر نہ رہ سکی تھی۔ پہلے امی کا خیال صرف تمہارے ساتھ میری شادی کرنے کا تھا۔ وہ تم کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں اور جب انہوں نے تمہاری امی سے اس رشتے کے متعلق کہا تو انہوں نے وہ وہ باتیں امی کو سنائیں کہ امی حیران پریشان ہو کر گھر آ گئیں۔ اور انہوں نے مجھے سب کچھ بتایا۔ لیکن میں نے امی سے کہا۔ امی یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جمیلہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ وہ چونکہ اس کی سوتیلی والدہ ہے اس لیے ایسا کہتی ہے لیکن امی کے دل میں کانٹا کھٹک گیا تھا۔ اس کے بعد سعیدہ آ گئی۔ اس کی ماں اور بہنیں بھی۔ انہوں نے بڑھ چڑھ کر تمہارے خلاف امی کو کر دیا اور امی نے میری ایک نہ سنی اور سعیدہ سے منگنی کر دی۔

جاوید کی باتیں سن کر میرا چہرہ لیموں کی طرح زرد پڑ گیا اور مجھ میں بات کرنے کی سکت نہ رہی۔ میں کچھ دیر تک خاموش رہی اور پھر جاوید کو تکنے لگی۔ جاوید بھی میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے کہا۔

جاوید! ایک بات پوچھوں؟

ہاں پوچھو۔

جاوید! کیا محبت اتنی ہی کمزور ہوتی ہے اور کیا اتنی جلدی بدل جانے والی ہوتی ہے کہ ذرا کسی نے بھڑکا دیا اور وہ بدل گئی۔ تو بس تمہاری محبت اتنی ہی تھی کہ میرے خلاف محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے تم نے میری زندگی سے ناطہ توڑ لیا۔

جاوید! اگر مجھے تمہاری کوئی ہزار برائیاں بھی سناتا' ہزار عیب ظاہر کرتا تو بھی میری محبت کبھی نہ بدلتی۔

لیکن جمیلہ! مردان باتوں کو کبھی برداشت نہیں کرتا اور پھر میں تو امی کے آگے مجبور ہو گیا تھا۔

لیکن جاوید صاحب! صرف بزدل مرد ہی مجبور ہوا کرتے ہیں۔

اب مجھ سے اور باتیں نہ ہو سکتی تھیں۔ میری طبیعت خراب ہونے لگی۔ میں نے اتنا کہہ کر خاموشی سے کروٹ بدل لی۔ اور دیوار کو تکنے لگی' ٹکٹکی باندھ کر۔

اور چند لمحوں کے بعد جاوید اٹھ کر چلا گیا۔

بخار اکیس دن کے بعد ٹوٹا اور اب تین روز سے بالکل نہیں ہوا۔ لیکن کمزوری اس قدر زیادہ ہے کہ بیان نہی کر سکتی۔ ابا جان بہت خیال رکھتے ہیں۔ رات میرے پاس بیٹھے تھے۔ کہنے لگے۔

''جمیلہ! میں سوچتا ہوں' میں نے تمہاری کوئی خدمت نہیں کی۔ نہ جانے تمہاری اماں اگلی دنیا میں مجھے کیا کہتی ہوگی۔''

اتنا کہہ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آج میں نے اپنی زندگی کے بیس سال گزارنے کے بعد پہلی بار ابا کے منہ سے اپنی امی کا ذکر سنا تھا۔ مجھے بھی نہ جانے کیا ہوا کہ رونے لگی۔

''مت رو بیٹی! جب تک تیرا باپ زندہ ہے وہ تجھے رونے نہ دے گا۔''

اور ابا جان بہت دیر تک مجھے پیار کرتے رہے۔

ابا جان زیادہ دیر تک میرے پاس بیٹھ جائیں تو امی کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ ابا کو جھڑکیاں دینے لگتی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ابا امی سے تنگ آتے جا رہے ہیں لیکن مجبور ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

یا خدا۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ہم باپ بیٹی کس مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ خدایا! تیرا کیا بگڑ جاتا اگر تو ہماری امی کو زندہ رہنے دیتا۔ پھر

ہمارے گھر کی یہ حالت نہ ہوتی۔ پھر ہمارے دلوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔

پھر ہمارے لیے بھی بہت خوشیاں ہوتیں۔

کاش! ابا ہی دوسری شادی نہ کرتے!

چھ مہینے یہاں گزارنے کے بعد اب ابا جان کا تبادلہ پھر لاہور ہی ہو رہا ہے۔ کل تک سارا سامان باندھ لینا ہے۔ اور اس شہر سے رخصت ہو جانا ہے۔ اس خوبصورت پہاڑی علاقے سے جس کے چپے چپے سے مجھے پیار اور محبت ہے۔ اگرچہ یہاں کا عرصہ میں نے اس کوٹھی میں ہی گزارا ہے اور تین چار بار سیر کے علاوہ پھر کبھی سیر کو نہیں گئی لیکن پھر بھی یہاں کے چپے چپے سے مجھے محبت ہو گئی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے' میں ابا جان کے ساتھ یہاں سے واپس نہ جاؤں' کہیں چھپ جاؤں اور جب یہ سب لوگ چلے جائیں تو نکل آؤں اور اکیلے اس کوٹھی میں رہوں' ان پہاڑوں پر آزاد پرندوں کی طرح اڑوں۔

پہاڑوں کو چھوڑ کر گندے شہر میں جانے کو میرا ذرا جی نہ چاہتا تھا۔ زندگی بھلی یا بری' جیسی بھی ہے یہاں اچھی گزر رہی ہے۔ شہروں میں گندے اور ذلیل لوگ بستے ہیں۔ مجھے وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔

اے جاوید کے سانسوں کی مہک میں بسے ہوئے پہاڑو! وادیو! اور ٹیلو۔۔۔۔۔۔۔ کل یا پرسوں ہم تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے اور شاید پھر یہاں کبھی نہ آئیں۔

جاوید! ہم تیرا شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اس حسین وادی کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ جسے میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گی۔ وہ وادی' جہاں برف پوش پہاڑ ہیں ناشپاتیوں اور آلوچوں کے درخت ہیں' پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیاں ہیں' خوشبو آلود ہوائیں ہیں' مترنم آبشاریں ہیں' خوبصورت پہاڑ ہیں اور صحت مند چرواہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ جو جمیلہ کو دھوکہ دے کر سعیدہ سے منگنی کر لیتے ہیں۔

وادیوں کے خوبصورت نشیب و فرازو! اور اونچی نیچی پگڈنڈیو! میں تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔

موسم خزاں میں جب زرد پتیوں کے ڈھیر یہاں لگ جائیں گے اور ہماری کوٹھی میں داخل ہونے والے سارے راستے زرد پڑ جائیں گے تو اے پتو! زرد پتو! مجھے بھی یاد کر لینا۔

شام ہو رہی تھی۔ چمکیلی دھوپ ماند پڑ گئی ہے۔ مغربی پہاڑوں پر سفید بادل شفق کی لالی میں ڈوب چکے ہیں۔ شام کے سائے

وادیوں میں پھیل گئے ہیں اور ہوائیں تیز ہو رہی ہیں۔ میں کھڑکی میں کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی ہوں۔ دوران پہاڑوں کے پیچھے جاوید کا مکان ہے۔ وہ اس وقت مزے سے بیٹھا ہوگا' قہقہے لگا رہا ہوگا۔ ہائے! جاوید کس قدر ظالم ہے۔ اسے میرا بالکل خیال ہی نہیں آیا۔ کاش! جس طرح وہ مجھے بھلا بیٹھا ہے میں بھی اسے بھلا سکتی۔ لیکن میں جاوید کو کبھی نہ بھلا سکوں گی۔ یہاں سے جانے کے بعد بھی میں راتوں کو پہروں اٹھ اٹھ کر رویا کروں گی۔ پتہ نہیں آئندہ بسر ہونے والی زندگی کیسی ہے؟ امی اندر ہی اندر میری شادی کا پکا پروگرام بنا رہی ہیں۔

اور امی اس قدر سخت اور ظالم عورت ہیں کہ جس سے میری تو کیا مجال' ابا بھی ڈرتے ہیں اور ان کو ان کی ہاں میں ہاں ملانا ہی پڑتی ہے۔

سعیدہ وغیرہ کے آنے کی وجہ سے پھر ہمارے ہاں بھائی کے پیدا ہونے کے سبب ان وجوہات سے میری شادی کا معاملہ دبا ہوا تھا۔ پھر میرے بیمار ہونے کے باعث امی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ یہ ذکر چھیڑیں اور اب تو ہر وجہ ہی ختم ہو چکی تھی۔

اور ہم واپس اسی لاہور میں جا رہے تھے۔ بس لاہور جانے کی اگر مجھے کوئی خوشی تھی تو یہی کہ وہاں جا کر اپنی پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھ سکوں گی۔ اگرچہ یہ بھی پکی بات نہیں تھی۔ کیونکہ امی اور ابا تو کسی طرح مانتے ہی نہ تھے لیکن پھر بھی امید تھی۔

میری صحت اب پہلے سے بہت اچھی ہو گئی ہے ورنہ بخار نے تو مجھے بالکل ہی کمزور کر دیا تھا۔ بھیا کے پیدا ہونے سے امی بہت مغرور ہو گئی ہیں اور اب تو وہ اپنی بلو کو بھی اکثر جھڑک لیتی ہیں۔ اور وہ بلو جو سارا سارا وقت ماں کے پاس رہتی تھی' اب میرے پاس بیٹھی رہتی ہے اور اپنی پیاری پیاری زبان میں باتیں کرتی رہتی ہے۔

دو تین روز تک ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ امی کہہ رہی تھیں کہ کل خالہ زینت سے ملنے جائیں گے۔ لیکن میں نہیں جاؤں گی جب خالہ کو امی نے ایک ایک بات بتا دی ہے اور جاوید بھی جانتا ہے' تو میں ان لوگوں کے درمیان اب کیوں جاؤں؟

ان لوگوں نے ان باتوں کو برا سمجھا جب ہی تو سعیدہ کو مجھ پر ترجیح دے دی نا۔ لیکن میرا دل ایک دم اداس ہو گیا۔ بھلا مجھے کیا حق حاصل ہے جو میں ان لوگوں سے میل ملاپ رکھوں اور گلے شکوے زبان پر لاؤں۔

رات گہری ہو گئی ہے اور سرد ہوا بہت تیز چلنے لگی ہے۔ میں نے کھڑکی بند کر دی ہے۔ اور کرسی پر آن کر بیٹھ گئی ہوں۔ آج دل بہت اداس اور ویران ہے۔ زندگی میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو اب شاید کبھی پر نہ ہو سکے گا۔

آج ہم خالہ زینت سے ملنے کے لیے ان کی کوٹھی پر گئے۔ میں جانا نہیں چاہتی تھی لیکن امی اصرار کر کے ساتھ لے گئیں۔ میں اداس تھی۔ خالہ کہنے لگیں۔

جمیلہ بیٹی بہت اداس ہے۔ کیوں اداس ہو؟ یہاں سے جانے کا صدمہ ہوگا۔ انسان جہاں رہے اس جگہ سے مانوس ہو ہی جاتا ہے نا آخر۔ ہم لوگ بھی تو آپ کے جانے سے بے حد اداس ہو جائیں گے۔ آپ کے آنے سے بہت دل بہل گیا تھا اور کتنی رونق ہو گئی تھی۔

خالہ یونہی امی سے باتیں کرتی رہیں اور میں چپ چاپ سنتی رہی۔ جاوید آ گیا اور پھر سیر کا پروگرام بن گیا۔ فرخندہ' بلو' میں اور جاوید۔ میں کبھی سیر کو نہ جانا چاہتی تھی لیکن میں خالہ پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مجھے یہاں سے جانے کا بہت صدمہ ہے اور یہ کہ میں جاوید سے ناراض ہوں۔ اس لیے ہم سب سیر کو چل دیئے اور میں بالکل انکار نہ کر سکی۔ اخروٹوں' خوبانیوں اور چلغوزوں سے ہم نے اپنے کوٹ کی جیبیں بھر لیں اور کھاتے ہوئے چل پڑے۔

ایک میل کے فاصلے پر نیچے نشیب میں چشمہ تھا' وہاں کی سیر کا پروگرام بنایا۔ جاوید نے بلو کو گود میں اٹھا لیا اور میں نے فرخندہ کا ہاتھ تھام لیا اور ہم نشیب کی طرف اترنے لگے۔ راستہ بے شمار درختوں اور رکاوٹوں سے اٹا پڑا تھا لیکن ہم کسی طرح وہاں تک پہنچ ہی گئے۔

وہاں پہنچ کر بلو اور فرخندہ تیلیوں کے پیچھے ادھر ادھر بھاگنے لگیں اور ہم دونوں چشمے کے کنارے ایک اونچے سے پتھر پر بیٹھ گئے۔ وہاں بیٹھ کر جاوید نے میرا ہاتھ پکڑ لیا لیکن میں نے سختی سے چھڑا لیا۔

اس خوبصورت وقت کو یوں بے دردی سے ضائع نہ کرو۔

میں خاموش رہی۔

بولو نا جمیلہ! شاید زندگی میں یہ وقت پھر آئے یا نہ آئے۔ کیوں نہ ہم اس سے جی بھر کر لطف اندوز ہوں۔

اور میرا دل رو اٹھا۔ تو آپ بس وقت کو حسین بنا کر گزارنا چاہتے ہیں' چاہے اس میں کسی کی زندگی برباد ہو جائے۔ اپ کے نزدیک تو پھر یہ سارا کچھ کھیل ہی ہوا نا۔

جاوید کہنے لگا۔۔۔۔۔۔۔ میں تو اس چیز کے حق میں ہوں کہ زندگی کا جو لمحہ بھی خوبصورت طریقے سے بسر ہو جائے وہی اچھا ہے۔ کیا پتہ آئندہ لمحے ہم مر ہی جائیں تو پھر؟

اور میری نگاہوں پر سے جیسے پردہ سا اتر گیا۔

تو جاوید صاحب آپ محبت کو بھی ایک خوش وقتی سمجھتے ہیں؟

چاہے وقت میرے ساتھ بسر کیا جائے' چاہے سعیدہ کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔آپ کی نگاہ میں کوئی فرق نہیں۔

ہاں' بالکل نہیں۔ پیاری لڑکیوں کے نزدیک جتنا بھی وقت گزر جائے وہی اچھا ہوتا ہے۔

میں حیران ہو کر جاوید کو دیکھنے لگی۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا جاوید صاحب کہ اگر ہم دونوں کے علاوہ آپ کو اور بھی لڑکیاں مل جائیں تو آپ ان کے ساتھ خوبصورت وقت گزارنے سے کبھی پرہیز نہ کریں گے۔

ہرگز نہیں۔ جب زندگی اس قدر بے ثبات ہو' تو پھر انسان کو بہتے دریا میں ضرور ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

میں آپ کو ایسا نہ سمجھتی تھی جاوید صاحب!

تم خود غلطی پر ہو جمیلہ! ورنہ جانتی ہو دوسری صورت میں کیا ہوتا ہے۔ انسان جلتا اور کڑھتا رہتا ہے' جس سے محبت کرتا ہے جب اسے نہیں پا سکتا تو تمہاری طرح اپنا برا حال کر لیتا ہے۔ اور پھر نہ اس کے لیے زندگی میں کچھ رہتا ہے اور نہ موت اس کے پاس آتی ہے۔

تو آپ کے نزدیک محبت محض بیکار شے ہے۔

بیکار شے نہیں۔ محبت سب سے زیادہ پیاری شے ہے۔ لیکن میں اس محبت کا قائل ہوں جو زندگی کے لمحے دلچسپ بنائے جس کی قربت میں بیٹھ کر زندگی زیادہ خوبصورت اور پیاری ہو جائے۔ لیکن اگر وہ محبت جدا ہو جائے تو میں اسے صرف حماقت سمجھتا ہوں کہ اس کی یاد میں رو رو کر زندگی کو روگ لگایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کی لڑکیاں اس قدر پاگل اور بیوقوف ہوتی ہیں کہ کسی کی ایک محبت بھری نظر کے بدلے میں ساری زندگی خراب کر لیتی ہیں۔ اور ایسی ہی ہزاروں لڑکیاں دق کا شکار ہو کر ہسپتال میں پڑی ہیں۔ اور میں تم سے بھی یہی کہوں گا کہ جمیلہ! زندگی کو روگ میں تبدیل نہ کرو۔ ہم نے یہاں جتنا اچھا وقت گزارا تھا' بس اسے غنیمت سمجھو اور ایسی ہی محبت اور جہاں کہیں بھی تمہیں ملے اسے اپنا لو اور زندگی گزارتی جاؤ۔

جاوید کی باتیں میرے ذہن کو پریشان کر رہی تھیں' اسے متزلزل کر رہی تھیں۔ محبت کی طاقت اور وقعت کو میری نظروں سے گرا رہی تھیں۔ ہر چیز اکھڑ رہی تھی۔ اگر انسان یوں جو بھی ملے اس سے محبت کرنے لگے' تو کیا انسان اپنا چین اور سکون نہیں کھو دیتا۔ کیا وہ

محبت میں لامذہب نہیں ہو جاتا۔ پھر وہ کسی ایک مرکز پر قائم نہیں رہ سکتا۔ آگ کو اگر بیچ میدان میں روشن کیا جائے اور ہر کوئی تاپتا ہوا گزر جائے تو وہ بہت جلد اپنی حرارت کھو دیتی ہے۔ لیکن ایک بند کمرے کی انگیٹھی میں سردیوں میں جلی ہوئی آگ جو فائدہ دیتی ہے اور جس طرح گرمی پہنچاتی ہے وہ میدان کی آگ تو نہیں پہنچاتی۔ اور میں نے پوچھا۔

تو جاوید صاحب! کیا آپ سعیدہ کو یاد نہیں کرتے؟ سعیدہ سے آپ کی منگنی ہو چکی ہے تو اب آپ کا فرض ہے کہ صرف اسی کے لیے وقف ہو کر رہیں۔ اور وہ صرف آپ کی ہو کر رہے۔ آپ کو تو سعیدہ کے ساتھ منگنی کر لینے کے بعد یہاں میرے پاس بیٹھ کر یوں باتیں کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔

یہ سراسر جہالت ہے جمیلہ! اور تم لڑکیاں اس معاملے میں بہت جاہل ہو۔ سعیدہ سے میری منگنی امی نے کی ہے اور ہر ماں کو بہو لانے کا ارمان ہوتا ہے۔ سو منگنی ہو گئی۔ جب تک وہ یہاں رہی میں اس کی Company سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اب وہ چلی گئی ہے تو صرف اسی کے تصور میں کھو جانا اور کسی اور سے کوئی بات نہ کرنا یہ بے وقوفی ہے۔

تو کیا آپ سعیدہ کو خط نہیں لکھتے؟

لکھتا ہوں۔

ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خط تو آپ ہر ایک کو لکھ لیتے ہیں۔

تو تم پھر مایوس ہو رہی ہو جمیلہ!

جاوید صاحب! آپ کی باتوں سے تو میں پریشان ہو گئی ہوں۔

تم پاگل لڑکی ہو۔ زندگی سے لطف اندوز ہونا نہیں جانتیں۔ جب کبھی ہم ملیں گے ہم یونہی ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر باتیں کیا کریں گے۔ تو پھر رنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے۔ محبت میں رونا' ٹھنڈی آہیں بھرنا اور جی کو جلانا' یہ ساری باتیں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں سعیدہ کی طرف زیادہ مائل ہو گیا۔ سعیدہ بہادر' بے فکر اور شوخ لڑکی ہے۔ وہ زندگی سے پیار کرنا جانتی ہے لیکن پیار میں رونا نہیں جانتی۔

میں خاموش بیٹھی سن رہی تھی۔ لیکن میرا دل اندر سے بیٹھا جا رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی گر پڑوں گی۔ اس شخص کو میں سمجھ ہی نہ سکی کہ یہ کیا ہے۔

جاوید یہ باتیں کر کے اٹھا اور سامنے گھاس کا ایک چھوٹا سا قطعہ تھا وہاں دھوپ آئی ہوئی تھی' جا کر لیٹ گیا۔ وہاں لیٹا ہوا جاوید

کس قدر خوبصورت اور حسین لگ رہا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ اس کے سینے سے چمٹ جاؤں اور اس سے کہوں۔

جاوید! صرف میرے ہو جاؤ' صرف میرے۔ اپنے ان خیالات کو ذہن سے نکال دو۔ یہ انسان کو خراب کرتے ہیں۔ جوانی اگر ان خیالوں کو کاٹ بھی دے تو بڑھاپے میں انسان اکیلا پن محسوس کرتا ہے۔ دیکھو میری طرف' میری آنکھوں میں اتر آؤ اور دنیا میں اگر کسی کو دیکھو تو صرف مجھی کو۔ کسی کو پیار کرو تو صرف مجھی کو۔ ساری دنیا کو چھوڑ دو۔ ہم جنگلوں میں نکل جائیں گے اور وہاں ایک خوبصورت کٹیا بنا کر رہیں گے جس پر بیلوں اور خوبصورت پھولوں کا سایہ ہوگا اور صرف ہم دونوں وہاں رہیں گے۔ تم مجھ سے بے انتہا پیار کرنا۔ میں تم سے ایسا پیار کروں گی جو کبھی کسی عورت نے کسی مرد سے نہ کیا ہوگا۔ ہم وہاں چشموں کا پانی پئیں گے اور درختوں کے پھل کھایا کریں گے۔ اور ساری زندگی وہیں گزار دیں گے۔

جاوید میرے ہو جاؤ۔ زندگی میں جو نظریہ تم نے قائم کیا ہے وہ بالکل کھوکھلا ہے۔ اس کی کوئی بھی بنیاد نہیں ہے۔ ایک روز یہ نظریے تمہیں آوارہ بنا دیں گے۔ پھر تمہارا دل ہر لڑکی سے پھر جائے گا' ہر لڑکی وقت گزاری کر کے تم سے الگ ہو جائے گی اور اگر تم کبھی بیمار ہو جاؤ گے تو کوئی تمہاری تیمارداری نہ کرے گی۔ اپنے ان خیالات کو بدل دو جاوید! زندگی ایک خوبصورت اور سہانا خواب بن جاتی ہے جب دو دل ایک دوسرے سے سچا پیار کرتے ہیں۔ اسی کا نام زندگی ہوتا ہے لیکن ------

جاوید سامنے دھوپ میں لیٹا مسکراتا رہا۔ اور وہ بالکل ہی نہ جان سکا کہ میں دل ہی دل میں اس سے کیا کہہ رہی ہوں۔

فرخندہ اور بلو نہ جانے کدھر نکل گئی تھیں۔ میں نے کہا۔

پتہ نہیں فرخندہ اور بلو کہاں ہیں؟

جاوید نے کہا۔ یہیں کہیں کھیل رہی ہوں گی۔

اور میں اٹھ کر ان کو ڈھونڈنے لگی۔ دونوں دور سامنے درخت کے نیچے مزے سے بیٹھی پھولوں کا ڈھیر لگائے انہیں پرو رہی تھیں۔

میں پھر اسی پتھر پر بیٹھ گئی۔

جاوید کہنے لگا۔ یہاں آ جاؤ۔

نہ ------ میں یہاں ہی اچھی ہوں۔

اور میں دور خلاؤں میں کھو گئی۔

آخر جاوید کے بار بار اصرار کے بعد میں اس کے پاس چلی گئی۔

اس جاوید کے پاس جسے میں کبھی سمجھ نہ سکی جو میرے لیے بالکل معمہ بنا ہوا تھا۔ اگر میں اس کے متعلق ایک نظریہ قائم کرتی تھی' اس کی باتوں سے ایک نتیجہ اخذ کرتی تھی اور اس نتیجے کو سامنے رکھ کر زندگی کے متعلق سوچتی تھی تو دوسرے وقت وہ کچھ اور باتیں کرنے لگتا۔ اپنے آپ کو کچھ اور ظاہر کرنے لگ جاتا۔ پھر میں بھلا اسے کیسے سمجھ سکتی تھی۔ اب میں جاوید سے بھی خوف کھانے لگی۔ پہلے ایک ذلیل شخص سلیم میری زندگی میں داخل ہوا تھا تو میں اس کے جسم سے نفرت کرتی رہی' اس کے جسم سے خوف کھاتی رہی۔ اب یہ دوسرا شخص میری زندگی میں خواہ مخواہ ہی داخل ہو گیا۔ جس کے جسم سے تو میں نے کبھی خوف نہ کھایا جس کے لیے میں نے دل میں بے انتہا پیار محسوس کیا لیکن جس کے خیالات نے مجھے پریشان کر دیا' ڈرا دیا' خوفزدہ کر دیا کہ اگر اس شخص سے جس سے کہ میں محبت کرتی ہوں' وابستہ بھی ہو گئی تو اسے کسی قید میں نہ لا سکوں گی۔ اسے اپنے پاس رکھ کر بھی اپنا نہ بنا سکوں گی۔ پھر ایسے شخص کا ہونا نہ ہونا بالکل برابر ہے۔ یہ سوچتی ہوئی میں اٹھ کر جاوید کے پاس جا بیٹھی۔

جمیلہ! اب تو تم لاہور جا رہی ہو۔ جب میں لاہور میں تھا تو تم یہاں تھیں' اب تم لاہور جا رہی ہو تو میں یہاں ہوں۔۔۔۔۔۔ ہے نا جمیلہ!

اور یہ کہہ کر اس نے اپنا سر میری گود میں رکھ دیا۔ میں پرے ہٹنے لگی۔

یوں ظلم نہ کرو جمیلہ! کیا پتہ یہ لمحے پھر آئیں یا نہ آئیں۔

آپ کے لیے یہ لمحے آئے ہوں گے لیکن میرے لیے تو یہ لمحے اب بھی نہیں آئے۔ اب آپ اٹھیں اور گھر چلیں۔ دیر ہو رہی ہے۔ امی خفا ہوں گی۔

پھر وہی۔۔۔۔۔۔ امی خفا ہوں گی۔

ہاں' امی خفا ہوں گی۔ جاوید صاحب! میرے اور آپ کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

سمٹ کر ایک شخص میں سما جانا اور اسی کے لیے فنا ہو جانا' میرے نزدیک محبت کا مقصد اور محبت یہی ہے۔ لیکن آپ بہک کر ہر ایک کی گود میں گرنے والے ہیں۔۔۔۔۔۔ ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔

میں کیوں کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی کے ایسے لمحے گزاروں جو بالکل وقتی ہوں۔

اور میں اٹھ کر فرخندہ اور بلو کو بلانے چل دی۔ جاوید بھی اٹھ کر کپڑے جھاڑنے لگا اور پھر ہم گھر کی طرف روانہ ہو پڑے۔

راستہ میں سوائے بلو اور فرخندہ سے باتوں کے اور کوئی خاص بات نہ ہوئی۔

ہم واپس لاہور اپنے اسی گھر میں آ گئے۔ اس شہر اور اس گھر میں داخل ہوتے وقت میری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ ہمسایوں سے گھرے ہوئے مکان میں داخل ہوئی تو کئی کھڑکیاں کھل گئیں اور پھر باتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ کئی لڑکیوں کی ان چھ ماہ کے اندر شادی ہو گئے۔ رضیہ کی شادی ہو گئی تھی لیکن اس کی امی نے بتایا کہ خاوند اچھا نہیں ملا۔ شادی کے تیسرے ہی روز اسے مارنے ل گا۔ اس کی امی کہنے لگیں۔ لیکن میں نے دو ہزار کا حق مہر لکھوایا ہے۔ پھر اس نے امی کو لڑکے کی پیدائش کی بہت بہت مبارکباد دی اور پھر پوچھا۔ بتاؤ جمیلہ کی بھی کہیں بات کی ہے یا نہیں؟ اب تو ماشاءاللہ جوان ہو گئی ہے اب اس کی شادی کر دو۔

امی کہنے لگیں۔ ہاں بس اچھے رشتے کی تلاش میں ہیں۔ دو چار رشتے آئے ہوئے ہیں اب شادی کر دیں گے۔ غرضیکہ ہمسایوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ گھر میں سامان رکھا اور تین چار روز اسی میں لگ گئے۔ ابا جان کو یہاں بھی میو گارڈن میں سرکاری کوٹھی ملی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب میرا اپنا مکان یہاں ہے تو پھر میں کوٹھی میں کیوں رہوں۔

کاش! ابا جان ہمیں ان گندے ہمسایوں سے تو نکال کر لے جاتے۔ میں نے دو چار بار ابا سے کہا بھی مگر ابا نہیں مانتے۔ اور پھر یہاں امی کے میکے والے بھی پاس ہیں تو ابا جان امی کو کیسے مجبور کر سکتے ہیں۔ امی کی اپنی مرضی ہی ہوگی تو جائیں گے۔ لیکن اس دفعہ ہم شاید اس مکان کو چھوڑ دیں کیونکہ امی کو بھی اب کوٹھی میں رہنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اور اب ان سے یہاں نہیں رہا جاتا۔ کہتی ہیں کہ اوپر نیچے چھتوں پر جانا پڑتا ہے اور کوٹھی میں تو سیڑھیاں نہیں ہوتی نا۔

اور پھر جب سے میرا بھائی پیدا ہوا ہے امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے جوڑوں میں درد ہوتا ہے۔ کتنا اچھا ہو جو ہم کوٹھی میں چلے جائیں اور پھر۔۔۔۔۔۔ وہاں سے تو مجھے اپنا کالج بالکل نزدیک ہی پڑے گا نا۔۔۔۔۔۔ یا خدا میری اس آرزو کو سن لے۔

ہم کوٹھی میں نہیں گئے۔ امی سے بہتیرا کہا مگر وہ نہیں مانتیں۔ کہتی ہیں کہ گرمیوں میں وہاں چلے جائیں گے۔ آج کل تو سردیاں ہیں۔ ستمبر کا مہینہ ختم ہو رہا ہے اور کالج میں داخلے شروع ہو گئے ہیں۔ ابا جان سے رات بات کی تھی مگر انہوں نے کہا کہ بیٹی اگر تم پڑھ لکھ بھی جاؤ گی تو کیا ہوگا۔ ہمیں تم سے کوئی نوکری وغیرہ تو نہیں کرانی۔ پہلے ہی تمہاری صحت اچھی نہیں ہے اور پھر لوگ باتیں بھی بناتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اب اچھی سی جگہ دیکھ کر تمہاری شادی کر دوں۔ تم جانتی ہو زمانہ کس قدر نازک ہے۔ آئے دن ہزاروں

طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں اور پھر لوگ بھی باتیں بناتے ہیں کہ لڑکی جوان ہوگئی ہے شادی نہیں کرتے۔ پہلے تو لڑکیوں کو بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہی بیاہ دیا جاتا تھا۔

"لیکن ابا جان! مجھے پڑھنے کا شوق ہے۔ آپ مجھے کالج میں داخل کرا دیں۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"

"دیکھو بیٹا! مجھے یوں تنگ نہ کرو اور کسی ایسی بات کے لیے مجبور نہ کرو جو میں نہیں کرسکتا۔ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو تو سکول تک بھیجنا منع ہے چہ جائیکہ اسے کالج میں داخل کرا دیا جائے۔"

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ لیکن ابا جان مجھے ضرور داخل ہونا ہے۔ میری یہ انتہائی خواہش ہے اور اگر یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو میں مر جاؤں گی۔

اچھا تو پھر خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے موت دے دے اور اس کے بعد جو تمہارا جی چاہے تم کرو۔

میں خاموش ہوگئی۔

بیٹا! میں کوئی تمہارا دشمن تو نہیں ہوں۔ کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہہ رہا ہوں نا۔ یہاں چپے چپے پر تو ہمارے رشتہ دار ہیں۔ وہ باتیں کرتے ہیں۔ پہلے ہی تم جانتی ہو کہ تمہاری چچی نے کیا کیا کچھ باتیں ہمارے خلاف نہیں پھیلائیں۔ وہ کیا کم بدنامی ہوئی تھی۔ اب میں تمہیں کالج کیسے بھیج دوں۔ اب تو خدا وہ دن جلد لائے جب میں تمہاری شادی کر کے فارغ ہو جاؤں اور میرے سر سے یہ فکر دور ہو جائے۔

ناامید ہو کر میں نے رونا شروع کر دیا اور اٹھ کر آ گئی۔ اور اپنے کمرے میں آن کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اور خدا سے دعا مانگی۔

اے بلند معبود! یا تو ابا جان کے دل میں یہ خواہش پیدا کر کہ وہ مجھے کالج میں داخل کرا دیں یا میرے دل سے اس شوق کو مٹا دے۔ اور اگر تو یہ دونوں باتیں نہیں کرسکتا تو اے پاک پروردگار مجھے اس دنیا سے واپس بلا لے۔ مجھے پڑھنے کا کس قدر شوق تھا مگر اس شوق کو بری طرح کچلا جا رہا ہے۔ میں گھنٹوں بیٹھی یہی سوچتی رہی کہ یا خدا وہ کیسے ماں باپ ہیں جو اپنی لڑکیوں کو زبردستی پڑھاتے ہیں اور وہ نہیں پڑھتیں۔ خدایا! مجھے بھی کسی ایسے ہی گھرانے میں پیدا کیا ہوتا۔

بھلا میری زندگی ہی کیا ہے۔ اٹھنے کی کوشش میں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا۔

میں اس ماحول سے جہاں انسان کو انسان نہیں سمجھا جاتا اور اس پر ظلم ہوتا ہے نکل کر خوشگوار فضاؤں میں پہنچنا چاہتی ہوں۔ ایسی

فضا میں' ایسی دنیا میں سانس لینا چاہتی ہوں جہاں ہر شخص کو جینے کا حق حاصل ہو اور کوئی کسی پر ظلم نہ کرتا ہو۔ میں مجبوری کی زندگی نہیں بسر کرنا چاہتی لیکن یہاں کوئی میری بات نہیں سنتا۔

بھلا میں کیونکر شادی کر سکتی ہوں؟

اف خدایا۔۔۔۔۔۔۔ شادی کے نام ہی سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ مجھے مردوں سے نفرت ہے۔ یہ ذلیل مرد نہ جانے ان کی فطرت کیسی ہوتی ہے۔

اور شادی کے نام ہی سے مجھے ان تمام لڑکیوں کی زندگیوں کا خیال آ جاتا ہے' ہمارے ماحول کی لڑکیوں کا' ہمارے طبقے کی لڑکیوں کا جو خاوندوں کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی ہیں۔

اور پھر مجھے ڈر لگتا' میرا جی تو یہ چاہتا تھا کہ میں پڑھ لکھ کر کہیں استانی بن جاؤں اور ساری عمر شادی نہ کروں اور اگر کروں تو اپنی مرضی سے اور محبت کی شادی کروں۔ جس سے میرا ذہن خیالات اور دل ملتا ہو۔ لیکن جاوید کو ملنے اور اسے کھو دینے کے بعد اب تو یہ سوال بھی ختم ہو جاتا تھا اور کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھنے کو میرا جی نہ چاہتا تھا۔

ابا جان کا انکار سن کر میرا دل اتنا ویران ہو گیا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ زندگی میں میرے لیے اب رہا ہی کیا تھا۔ آئندہ بسر ہونے والی زندگی پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ اور عام لڑکیوں کی طرح میں زندگی بسر نہیں کر سکتی تھی۔ تو پھر کیا ہو؟ کاش! میں جاوید سے وابستہ ہو جاتی۔

بہت ممکن ہے کہ میں اپنی محبت سے اس کی زندگی کے رخ کو موڑ دیتی' میں اسے بدل ڈالتی۔ اگر میں ذرا سی کوشش کرتی تو جاوید سعیدہ سے کبھی وابستہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں بھی سعیدہ کی طرح چالاک بنتی' بن سنور کر جاوید کے سامنے جاتی' اسے ناز و ادا دکھاتی' خالہ سے رو رو کر کہتی کہ امی جھوٹ کہتی ہیں۔ امی میری سوتیلی ماں ہے' وہ نہیں چاہتی کہ میری جاوید سے شادی ہو۔ خالہ ضرور کچھ نہ کچھ مان جاتیں۔ میں جاوید کو منا لیتی۔ اور جب جاوید سعیدہ کی طرف ہو گیا تو میں رو رو کر اس سے کہتی کہ مجھے نہ چھوڑو جاوید۔۔۔۔۔۔ جاوید میں اب ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو چکی ہوں۔ اور جاوید ضرور مان جاتا۔ میں گھر بھر کی پرواہ کئے بغیر جاوید سے پیار کرتی اور سعیدہ سے ملنے کا اسے کبھی موقعہ نہ دیتی۔ مگر میں نے کچھ بھی نہ کیا اور خود ہی خاموش ہو کر رہ گئی اور دیکھتے دیکھتے اپنی ساری زندگی تباہ کر لی۔

تو اب زندہ رہنے کا فائدہ؟ ۔۔۔۔۔۔ میں تو محض بوجھ ہوں۔ ابا جان بھی کہتے ہیں تم میرے کندھوں پر بوجھ ہو

۔۔۔۔۔۔تو پھر اس بوجھ کو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیے۔ میرے مرنے کا کسی کو بھی رنج نہ ہوگا۔ میرے زندہ رہنے سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ پھر میں کیوں جل جل کر زندہ رہوں۔ میں کیوں ساری زندگی ظالم خاوند کی تابعداری اور باورچی خانے کے اندر بسر کروں۔ ہر سال ایک بچہ پیدا کروں۔ عورتوں کے طعنوں سے دل چھلنی کروں۔ ظالم خاوند کے ظلم کا شکار ہوں تو بہتر یہی ہے کہ مر جاؤں۔ میرا مر جانا ہی بہتر ہے۔ اور پھر جب میں اپنے مرنے کے بارے میں سوچتی تو پھوٹ پھوٹ کر روتی۔ اپنے مرنے پر بھی تو مجھے خود ہی رونا تھا۔ میرے مرنے پر بھلا اور کون روتا؟ رونے والا ہے ہی کون ۔۔۔۔۔۔ میرا کون ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ اس بھری دنیا میں ایک بھی ایسا شخص نہیں جو میرا اپنا ہو' جسے میں اپنا کہہ سکوں' جس کے سینے سے لگ کر میں رو سکوں' جس سے اپنا دکھ سکھ کہہ سکوں۔ کوئی بھی نہیں تو پھر مر جانا چاہیے۔

لیکن ۔۔۔۔۔۔

مرنے سے بھی ڈر لگتا ہے۔ خودکشی کرلوں۔ نہ جانے کتنی تکلیف ہو۔ یا خدا ۔۔۔۔۔۔ تو دنیا میں لاکھوں آدمی روزانہ مارتا ہے اپنی طرف سے مجھے بھی موت بھیج دے۔ اور انہی خیالوں میں میں نے ساری رات کاٹ دی۔

اور صبح ہو گئی۔ پھر دوپہر ہوئی۔ پھر رات ہوئی لیکن میں نہ تو کمرے سے نکلی اور نہ میں نے کھانا کھانا' نہ منہ ہاتھ دھویا۔ اور روتی رہی اور مرنے کے متعلق سوچتی رہی۔

امی نے یہ سب کچھ دیکھا' ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ غصہ سے ان کا چہرہ لال ہو گیا مگر غصہ کو اندر ہی اندر کسی اور شکل میں نکالنے کے لیے پی گئیں۔

دو دن گزر گئے' کسی نے آن کر نہ کہا کہ تم کہاں ہو' کھانا کیوں نہیں کھایا' روتی کیوں ہو ۔۔۔۔۔۔ دو دن فاقہ کرنے سے میرا دل رہ رہ کر گھٹ رہا تھا مگر میں ۔۔۔۔۔۔ کیسے کھا لیتی۔

تیسرے روز ابا جان آئے۔ کمرہ کے اندر داخل ہوئے اور کرسی میرے پاس کھینچ کر بیٹھ گئے۔ میں پلنگ پر لیٹی تھی' اٹھ کر بیٹھ گئی۔

میرا رنگ زرد ہو رہا تھا اور میں سوکھ گئی تھی۔

ابا کہنے لگے۔ یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ کھانا کیوں نہیں کھایا؟ آخر کب تک بھوکی رہو گی؟ یہ سب کرنے سے تمہارا مطلب کیا ہے؟

ابا کی آواز ذرا تیز ہوگئی۔ یقیناً امی نے میرے خلاف سکھا کر بھیجا تھا۔

میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور میں نے کہا۔ میری طبیعت خراب تھی اس لیے میں نے کھانا نہیں کھایا۔

لیکن اس دن طبیعت کیوں خراب ہوئی' جس دن سے میں نے تمہیں کالج میں داخلہ لینے سے منع کیا۔

دیکھو جمیلہ! مجھے یوں تنگ نہ کرو۔ اس بڑھاپے میں میری زندگی خراب نہ کرو۔ اگر مناسب سمجھتا تو میں تمہیں خود ہی کالج میں داخل کرا دیتا۔ لیکن اب تو یہ میرے مرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب تمہاری شادی کردوں گا۔ اپنے گھر جا کر جو تمہارا جی چاہے کرنا۔ کم از کم میرے سر سے تو یہ فرض اترے گا نا۔

اچھی بیٹیاں والدین کو یوں تنگ نہیں کیا کرتیں۔ دیکھو' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں (اور یہ کہہ کر ابا جان نے ہاتھ جوڑ دیئے) کہ خدا کے لیے مجھے تنگ نہ کرو۔ میرا بڑھاپا خراب نہ کرو۔

میں نے جلدی سے کہا۔ ''آپ ہاتھ نہ جوڑیں ابا جان' میں آپ کی ہر بات مان لوں گی۔''

اور ابا جان نے رونا شروع کر دیا۔ میں حیران رہ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے میں بہت ظالم لڑکی ہوں اور کوئی ایسا سنگین جرم کر چکی ہوں کہ خدا اب مجھے کبھی معاف نہ کرے گا۔ میں نے بھی رونا شروع کر دیا اور پھر ابا جان سے وعدہ کیا کہ آپ جو کہیں گے وہی ہوگا۔

تو پھر اٹھو۔ دیکھو تو اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ منہ ہاتھ دھوؤ اور کھانا کھاؤ۔

آپ جائیں' میں ابھی منہ ہاتھ دھو کر آتی ہوں۔ میں نے انتہائی نحیف اور کمزور آواز میں کہا۔

شاباش' میری بیٹی ۔۔۔۔۔۔ اور ابا جان نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ میں نے بڑی مشکل سے آنسوؤں کو روکا۔ اور جب وہ باہر چلے گئے تو میں نے آہستہ سے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور اس قدر سسکیاں بھر بھر کر روئی کہ کبھی نہ روئی تھی۔ پھر خدا سے دعا کی۔ اے خدا مجھے حوصلہ دے اور صبر دے کہ میں اس راستہ پر ثابت قدم رہ سکوں۔ ایک طرف ابا جان اور ان کے احکام تھے' دوسری طرف دل تھا' دل کے تقاضے تھے' اپنی خواہشیں تھیں۔

اور پھر میں نے روتے ہوئے اپنی ہر خواہش کو زندہ جلا دینے کا فیصلہ کر لیا اور سوچا کہ آج کی رات اس کے لیے ٹھیک رہے گی۔ پھر اٹھ کر باہر چلی گئی کہ کہیں پھر ابا جان نہ آ جائیں۔ خاموشی سے باہر نکلی۔ غسل خانے کی طرف چپ چاپ سر جھکائے چل دی۔ وہاں امی بیٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر طنزیہ ہنسی ہنسیں۔ اور میں بے بسی سے دیکھتی رہ گئی۔ چپ چاپ کھانا کھایا۔ آہ ابا نے مجھے کس قدر بے بس اور ذلیل کر دیا ہے۔ آنکھوں میں آنسو آتے رہے مگر میں چپ چاپ کھاتی رہی۔ پتہ نہیں کب روٹی کا لقمہ توڑتی تھی اور کب منہ

میں ڈال لیتی تھی۔ کھاتی رہی۔ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرہ میں آ گئی۔ دروازہ بند کیا اور پھر پھوٹ کر رونے لگی۔

یہ رات کتنی ویران تھی میرے لیے۔

اور جب رات کے گیارہ بج گئے تو میں نے اپنی ایک ایک آرزو کو رخصت کرنا شروع کر دیا۔

الوداع! اے میری اداس آرزوؤ الوداع! ۔۔۔۔۔۔ مجھ سے رخصت ہو جاؤ۔ آج تک میں اپنے لیے تھی۔ میں نے اپنے لیے رہنے کی پوری کوشش کی مگر آج باپ نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے ہیں۔ آج میں مجبور اور بے بس ہو گئی ہوں۔ آج سے میں دوسروں کے رحم و کرم پر ہو گئی ہوں۔ آج تک دوسروں کے پاس رہنے کے باوجود میں اپنے لیے زندہ تھی لیکن آج سے میں اپنے لیے اپنی زندگی ختم کر رہی ہوں۔

الوداع! اے میری زندگی الوداع!

اور پھر اتنی ہچکیاں اور سسکیاں شروع ہو گئیں کہ میں سوچ بھی نہ سکی۔ میں نیم پاگل سی ہو رہی تھی۔ اپنی ہر آرزو سے ہاتھ اٹھا رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں۔ جب ہر آرزو ختم ہو جائے اور ہر تمنا خاموش ہو جائے تو پھر کیونکر زندہ رہا جا سکتا ہے؟

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور پھر میں نہ جانے کب روتے روتے سو گئی۔

نہ پوری طرح سو رہی تھی اور نہ میں پوری طرح جاگ رہی تھی۔

اور سیاہ رات نے یہ سب کچھ ہوتے دیکھا' لیکن خاموش رہی آسمان پر چمکنے والے ستاروں نے مجھے روتے دیکھا مگر وہ اسی طرح چمکتے رہے۔۔۔۔۔۔ اور یونہی رات بیت گئی۔

زندہ لاش کی طرح زندگی کے دن گزار رہی ہوں۔ نہ روتی ہوں' نہ ہنستی ہوں۔ ہر کام کرتی ہوں' چپ چاپ سر جھکائے رات گئے تک کام کرتی رہتی ہوں۔

رشتہ کی بات ہو رہی ہے۔ عنقریب منگنی ہو جائے گی اور پھر شادی۔ ایک ماہ کے اندر اندر شادی۔ لیکن پتہ نہیں کس کی شادی ہو گی۔ لیکن میں کیوں سوچوں کہ میری شادی ہو گی۔

اور ایک بار پھر مجھے جنون ہو گیا کہ خودکشی کر لوں۔ اور یہ جنون اتنا بڑھا کہ ایک رات میں نے نیلا تھوتھا پیس کر پانی میں گھول کر پی

لیا۔

زہر پینے سے پہلے میں نے کمرے کی ایک ایک چیز کو الوداع کہا۔ اپنی امی کو یاد کیا اور کہا۔ امی مجھے راستے کا علم نہیں ہے مجھے لینے کے لیے دروازے تک آ جاؤ۔ موت کا راستہ پتہ نہیں کیسا ہوتا ہوگا۔

موت کے اس پار کیا ہے؟ یہ میں اب جان سکوں گی۔

دنیا پر حسرت بھری نظر ڈالی۔

جاوید کو یاد کیا' رو رو کر یاد کیا۔ کاش! موت کا یہ پیالہ پینے کی بجاء میں اگر جاوید تمہارے پاس بیٹھی ہنس رہی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا۔ یہ کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اور پھر میں نے نیلا تھوتھا پانی کے ساتھ پی لیا۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آنکھوں تلے سبز اندھیرا چھا گیا اور پیٹ میں بلا کا درد اٹھا۔

کچھ دیر تک میں نے درد کو دبائے رکھا مگر جب ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے اور درد کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ تو میں نے چیخ چیخ کر سارا گھر کیا بلکہ سارا محلہ سر پر اٹھا لیا۔ قے پر قے شروع ہو گئی۔ میں نے رات کے وقت یہ کی اتھا تا کہ ابا جان کے سامنے مروں۔ ابا جان گھبرا گئے۔ میرا رنگ نیلا پڑنے لگا۔ اسی وقت ڈاکٹر کو بلایا گیا اور اس نے کہا کہ اس نے کوئی چیز کھالی ہے' آپ اسے فوراً ہسپتال لے جائیں۔ ابا جان کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

لیکن ڈاکٹر نے تسلی دی کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ آپ دیر نہ کریں اسے فوراً ہسپتال لے جائیں اور پھر ڈاکٹر کی مدد سے مجھے ہسپتال پہنچایا گیا۔

زندگی تھے میں بچ گئی۔ ایک ماہ تک ہسپتال رہی۔ خودکشی کا کیس چلا لیکن جب اس کے ثبوت مہیا کیے گئے کہ غلطی سے کھالیا تھا تو خلاصی ہوئی۔

امی کو سب سے زیادہ فکر تھی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ کہیں مجھے سوتیلی والدہ سمجھ کر نہ دھر لیا جائے۔

اور جب ڈاکٹر نے پوچھا تھا کہ تمہیں کس نے یہ زہر پلایا۔۔۔۔۔۔۔ تو میں نے امی کی طرف دیکھا۔ ان کا رنگ فق ہو گیا اور میں نے کہا۔ میں نے تو غلطی سے پی لیا' مجھے تو پتہ بھی نہ چلا۔

ہسپتال سے تندرست ہو کر گھر آئی تو رہی سہی عزت اور وقعت بھی ختم ہو گئی۔ اب گھر کا ذرہ ذرہ میرا دشمن ہو رہا تھا۔

جہاں میری شادی ہونے والی تھی ان لوگوں تک طرح طرح کی خبریں امی کے میکے والوں نے پہنچائیں اور کہا کہ لڑکی تو ناجائز

بچہ ضائع کرانے ہسپتال گئی تھی۔

اف خدا۔۔۔۔۔۔۔ یہ میں نے کیا کر دیا؟ اتنا بڑا الزام مول لے لیا۔ ابا جان کو لوگوں کے ذریعے ان باتوں کا پتہ چلا اور وہ رونے لگے۔

آہ! میں اپنے ابا کے لیے بدنامی کا باعث بنی۔ کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی۔

اور میں ایک ماہ تک کمرے سے باہر نہ نکلی۔ ہمسائیوں کو اور بھی پکا یقین تھا کہ مجھے بچہ ضائع کرانے کے لیے ہسپتال داخل کیا گیا تھا۔ اور میری وہی چیخیں تھیں جو بچہ پیدا ہونے کے وقت عورت کے منہ سے نکلتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ امی کا کیا دھرا تھا۔ امی نے مجھے جی بھر کر بدنام کیا اور کہیں کا نہ رکھا۔ اور جہاں میرا رشتہ ہوتا تھا ان لوگوں سے وہ وہ باتیں کہی گئیں کہ انہوں نے زندگی بھر ادھر نہ آنے کی قسم کھالی۔ یہ میں نے کیا کر دیا؟ کاش! میں مر جاتی۔ مجھے تو موت بھی نہیں آئی۔ کاش! میری کوئی سہیلی ہی ہوتی۔ جو مجھے سمجھاتی۔ میں زندگی گزارنا نہیں جانتی، مجھے زندگی گزارنا نہیں آتا۔

خدایا! میری مدد کر۔

ابا جان میرا منہ تک نہیں دیکھتے۔

اور انہوں نے روٹی تک کھانی چھوڑ دی ہے۔ سارا وقت کمرہ کے اندر بند رہتے ہیں۔ دفتر تک نہیں جاتے۔

یا خدا۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیا ہو گیا؟

اس واقعہ کو چار مہینے گزر گئے ہیں۔ اب ابا پھر میری شادی کی کوشش میں مصروف ہیں۔

یا خدا۔۔۔۔۔۔۔ ابا کی یہ آرزو پوری کر دے۔ اب میں کچھ نہ کروں گی۔ اب میں مروں گی بھی نہیں۔ ابا کی اس خواہش کو جلد سے جلد پوری کر دو۔

اچھے خدا۔۔۔۔۔۔۔ میری اس خواہش کو پورا کر کہ ابا کی خواہش پوری ہو۔

کوئی رشتہ نہیں ملتا۔

جہاں اچھی جگہ بات بننے لگتی ہے، امی کا کوئی نہ کوئی جاسوس پہنچ جاتا ہے۔ امی اب میری دشمن ہو گئی ہیں۔ ہمارا آپس میں اب کوئی تعلق نہیں۔ ہم اب ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتے۔

یا خدا۔۔۔۔۔۔۔میرے بوڑھے باپ پر رحم کر۔

میری شادی کا روز آن پہنچا ہے۔خاموشی سے ہر چیز کی تیاری ہو رہی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے شادی کی نہیں' ماتمی جلوس کی تیاری ہو رہی ہے۔امی کے تمام میکے والے آئے ہوئے ہیں۔سعیدہ بھی آئی ہوئی ہے۔وہ مجھے دیکھ کر نفرت سے منہ دوسری طرف پھیر لیتی ہے۔امی کی والدہ مجھے گھور کر دیکھ رہی ہیں۔امی کے اور رشتہ دار بھی آئے ہوئے ہیں۔میں اپنے کمرے میں ایک طرف کونے میں بیٹھی ہوں۔کسی کے سامنے نہیں روتی لیکن راتوں کو چھپ چھپ کر روتی ہوں کہ اگر ان گھر والوں نے میری سسکی بھی سن لی تو قیامت آ جائے گی۔اب تو مجھے رونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ابا جان نے تھوڑا سا سامان تیار کیا ہے۔میری ایک سہیلی رضیہ ہے۔وہ میرے پاس بیٹھی ہے۔بیچاری سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے۔آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے ہیں۔گود میں ایک سوکھا دبلا لڑکا لیے ہے۔رضیہ کس قدر بدل گئی ہے۔

رضیہ! تیری یہ حالت کیسے ہوگئی؟ تو تو بڑے دل والی لڑکی تھی۔یاد ہے اس دن تو نے کس بہادری اور ہوشیاری سے سلیم کو دھوکا دے کر وہاں سے نکالا تھا۔لیکن تو نے یہ کیسی مظلوم شکل بنالی؟ مگر رضیہ ادھر ادھر کی بیکار باتیں کئے جا رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اس کے متعلق سوچ رہی تھی۔لیکن وہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔

جمیلہ! یہ تمہیں کیا ہوگیا' تم کس قدر کمزور ہوگئی ہو۔تمہارا چہرہ کتنا کملا گیا ہے۔

اور پھر ہنس ہنس کر کہتی۔ابھی تو رات کو پتہ چلے گا۔

اور میرا سارا جسم سر سے لے کر پاؤں تک لرز اٹھتا۔اور مجھے اچانک سلیم کا خیال آ جاتا۔اس رات کا خیال آ جاتا۔لیکن میں رو نہ سکتی تھی۔جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا عورتیں جمع ہوتی جا رہی تھیں۔آج انہیں ایک لاش کی شادی کرنی تھی۔ایک لاش کو کفن پہنانے کی بجائے سرخ جوڑا پہنا کر رخصت کرنا تھا۔

زندگی پہلے ہی بہت کچھ بدل گئی تھی۔اب رہی سہی بھی بدل جائے گی۔

کچھ دیر کے بعد امی کی بڑی بہن میرا سرخ جوڑا لے کر آ گئی اور مجھے نہانے کے لیے کہا۔میں نے غسل خانے میں جا کر غسل کیا اور وہاں جی بھر کر روئی۔اس کے بعد سرخ کپڑے پہنے۔

آہ! اب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اگر میری امی زندہ ہوتیں' تو اپنی بیٹی کو دلہن بنا دیکھ کر کس قدر خوش ہوتیں۔ پھر میری آنکھوں میں آنسو نہ ہوتے بلکہ خوشی کے ستارے چمک رہے ہوتے۔ پھر باجے بجتے اور۔۔۔۔۔۔ امی زندہ ہوتیں تو شادی میری مرضی سے ہوتی۔

جاوید میرا ہوتا۔۔۔۔۔۔

پھر آج کے روز ایک سورج نہیں' دو دو سورج طلوع ہوتے۔ پھر یہ میری ''سہاگ رات'' کس قدر روشن اور خوبصورت رات ہوتی۔

اور عورتیں بھی ادھر آ رہی تھیں۔ سب نے کہنا شروع کر دیا کہ ماں یاد آ رہی ہوگی۔ چند ایک نے آبدیدہ ہو کر پیار سے سر پر ہاتھ رکھا اور میری چیخیں نکل گئیں۔ پھر مجھے تسلی دی گئی مگر میرے آنسو کہاں رکتے تھے۔

شام کو بارات آنے والی تھی بغیر باجوں کے' خاموشی سے۔ پھر مجھے ایک طرف گٹھڑی بنا کر بٹھا دیا گیا۔ مجھے بخار ہو رہا تھا۔ لحاف اوڑھا دیا گیا۔

شام کو بارات آئی۔ میں نیم بے ہوشی کے عالم میں تھی۔ بخار اتنا تیز ہو رہا تھا کہ مجھے کچھ ہوش ہی نہ تھا۔ پھر نہ جانے کب نکاح کے لیے یہ لوگ میرے کمرے میں آئے۔ انہوں نے کچھ کہا' کب میں رخصت ہوئی' کب ابا جان نے گلے لگا کر رونا شروع کر دیا ۔۔۔۔۔۔ یہ سارا کچھ خواب کی طرح یاد ہے۔

یوں لگتا تھا جیسے کہیں بہت دور یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور مجھ تک آہستہ آہستہ آوازیں آ رہی ہیں۔

رات ہوئی۔

میری سہاگ رات آئی۔

مجھے ایک اکیلے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ ایک سجے ہوئے پلنگ پر۔ آہستہ آہستہ کر کے تمام عورتیں رخصت ہونی شروع ہو گئیں۔

میں اکیلی رہ گئی۔

اس وقت رات کے گیارہ بج چکے تھے۔

اچانک مجھے یوں لگا جیسے کوئی اندر داخل ہوا ہے۔ اور اس نے دروازہ بند کر لیا ہے۔۔۔۔۔۔ اور پھر وہ میرے پلنگ کے پاس آیا ہے اور اس نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے۔ میں سر سے لے کر پاؤں تک کانپ گئی اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔

اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرا خاوند سامنے بیٹھا ہے۔

اب ہماری شادی کو ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور میں اپنے والدین کے گھر سے بہت دور ایک اجنبی شہر میں ایک اکیلے مکان میں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہوں' جس نے ایک ہی ماہ کے عرصہ میں سو ہزار طعنے مجھے دے ڈالے ہوں گے۔

اے زندگی۔۔۔۔۔۔اور زندگی کی خوشیو! یہاں تو میرا ساتھ نہ چھوڑو۔ اس اجنبی وطن میں تو تم بیوفائی نہ کرو۔

مگر تم کیا سنو گی۔۔۔۔۔۔تم کبھی نہ سن سکو گی!